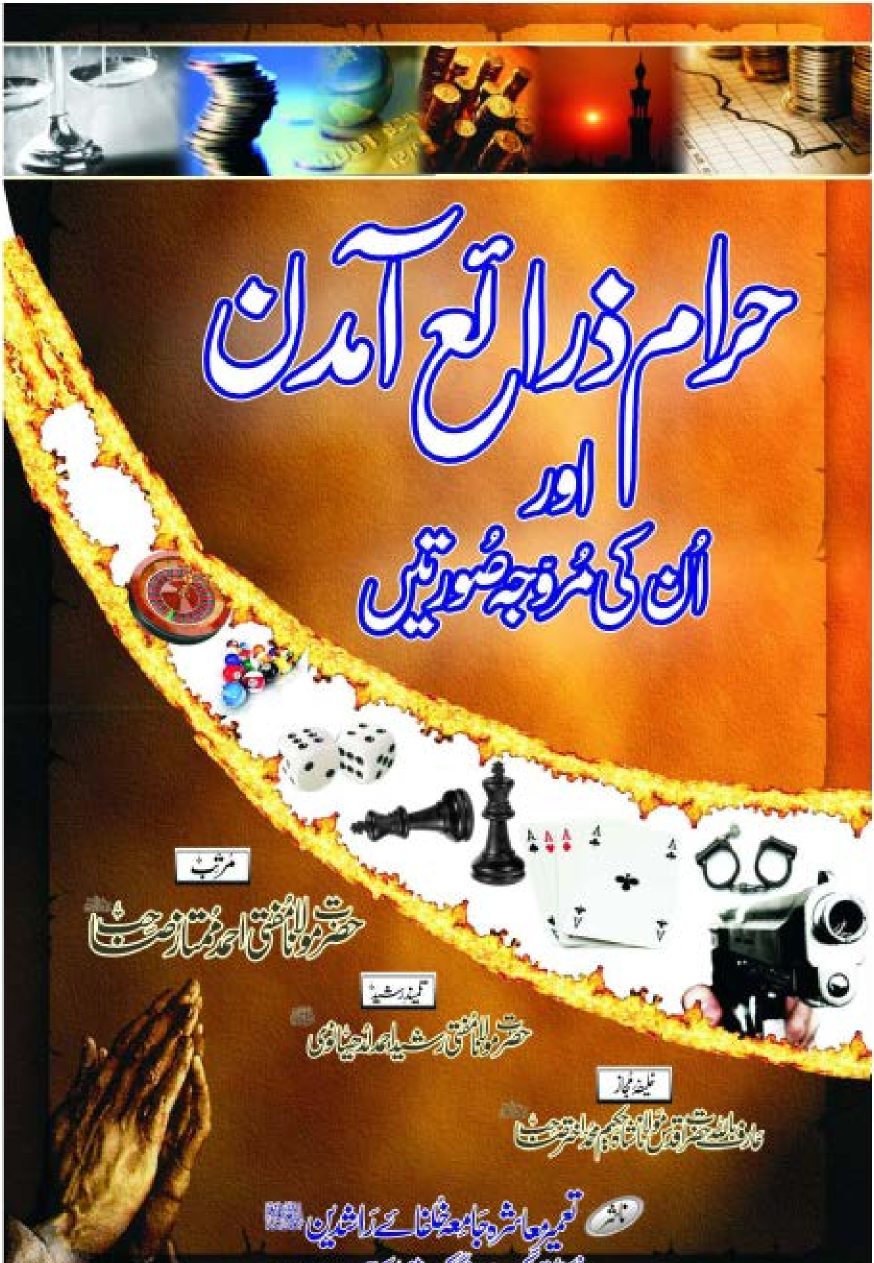

حرام ذرائع آمدن
اور
اُن کی مُروّجہ صُورتیں
مرتب
حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب
تلمیذ رشید
حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی
خلیفہ مجاز
عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب
ناشر
تعمیر معاشرہ جامعہ خلفائے راشدین

فہرست

﴿تمہید﴾

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم امابعد:

حلال روزی کھانے اور حرام سے بچنے کی اہمیت کسی پر مخفی نہیں، اہل فہم و دانش جانتے ہیں کہ حلال و حرام کی تمیز اور خیال رکھنے سے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر اور رُسل علیہم الصلوٰۃ و التسلیمات بھی مستثنیٰ نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان بزرگ ہستیوں کو صریح حکم دیا ہے:

یایھاالرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا.[المؤمنون : ۵۱]

''اے پیغمبرو! تم (اور تمہاری امتیں) نفیس چیزیں کھاؤ (اور کھا کر شکر ادا کرو کہ) نیک کام (یعنی عبادت) کرو''۔ (بیان القرآن ۲/۵۴۲)

(اس کی اہمیت سے متعلق بعض نصوصِ قرآنیہ وحدیثیہ مقدمہ میں آرہی ہیں)

اس زمانہ میں حلال روزی حاصل کرنا اس قدر دشوار ہوگیا ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ اس کا ارادہ بھی کرتا ہے تو بظاہر اس پر معاش کے دروازے بند اور زمین اس پر تنگ کردی جاتی ہے۔

کسبِ معاش کے ذرائع زراعت، تجارت، ملازمت جہاں نظر ڈالیے سود، قمار، رشوت اور معاملاتِ فاسدہ و باطلہ سے لبریز ہیں یہاں تک کہ بعض سطحی نظر اور کم علم والے مخلص لوگ یہ سمجھنے لگے کہ حلال و حرام سے متعلق اسلامی قانون اس قدر سخت ہے کہ اس پر عمل دشوار بلکہ ناممکن ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حلال سے مایوس ہوکر بے دھڑک حرام کے پیچھے پڑ گئے اور حرام کے عادی اور حیلہ جو اور بہانہ تراش قسم کے لوگ تو اس بات کو حرام کھانے کی بڑی دلیل باور کرانے لگے لیکن اگر تھوڑا سا انصاف سے غور کیا جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ موجودہ دشواریاں قانونِ اسلام کی سختی کا نتیجہ نہیں بلکہ موہوم پرستوں کی کج روی اور ایسی ملحدانہ آزادی کا نتیجہ ہے کہ اس کے ساتھ وہ کسی آسان سے آسان قانون کی پابندی بھی برداشت نہیں

کرسکتے اور جب کثرت ایسے لوگوں کی ہوگی تو تمام معاملات باطل اور فاسد ہو جائیں گے اور خلافِ شرع معاملات اور مالِ حرام سے بچیں تو معاملہ کرنے کہاں جائیں انہی لوگوں سے معاملات پڑیں گے جن کو حلال وحرام کا ذرا بھی احساس نہیں ہے بلکہ اس کو معاذ اللہ تنگ نظری خیال کرتے ہیں اس لیے حلال روزی طلب کرنے والے کے لیے دشواریاں پیش آجائیں گی ورنہ اسلامی قانون اس بارے میں بھی اس قدر سہل اور وسیع ہے کہ دنیا کی کوئی ضروری اور حقیقی واقعی حاجت اس کے دائرے میں رہتے ہوئے بند نہیں ہوتی اور یہ صرف اسلام ہی کی شانِ امتیازی ہے۔

جس وقت تک عام مسلمانوں میں حلال وحرام کا احساس تھا غیر مسلم بھی معاملات میں ان کی رعایت کرنے پر مجبور تھے یہاں تک کہ اگر کسی بڑی جماعت کا کوئی خاص مذاق کارخانہ والوں کو معلوم ہوتا تو وہ اپنے سامان کی نکاسی کے خیال سے ان کی رعایت کرنے پر مجبور ہوتے۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’آج کل یورپ سے جو دوائیں یا غذائیں آتی ہیں ان کے لیبر اور اشتہار میں بکثرت پایا جاتا ہے کہ اس میں کوئی حیوانی جز شامل نہیں یہ صرف اس وجہ سے کہ ان کو ہندو قوم کا مذاق معلوم ہے کہ وہ اس سے پرہیز کرتے ہیں اور یہ کہیں نظر نہیں پڑتا کہ اس میں شراب یا کوئی نشہ آور چیز شامل نہیں کیونکہ مسلمانوں نے اپنے طرزِ عمل سے اس میں احتیاط کا ثبوت نہ دیا ورنہ یورپ کے پیسہ پرست کارخانے والے خدا کے خوف سے نہیں بلکہ اپنی کساد بازاری سے اس پر مجبور ہوتے کہ ۷۰ کروڑ مسلمانوں کے مذاق کا احترام کریں‘‘۔ (جواہر الفقہ: ۷/ ۵۱۸)

الحاصل! آج کل کسبِ حلال میں جو تنگی پیش آرہی ہے وہ اپنی بے فکری و بے احتیاطی کا نتیجہ ہے، قانون کی سختی ہرگز نہیں بقول ایک مولانا صاحب کے کہ ایک شخص نے اعتراضاً کہا کہ اسلام میں بڑی سختی ہے ہر چیز حرام، ناجائز...... تو میں (مولانا صاحب) نے جواباً کہا: کہ غلط کہہ رہے ہو، اسلام میں سختی نہیں ہاں پابندی ضرور ہے، فیکٹری کا ملازم جانے اور آنے میں

خاص وقت کا پابند ہے اور اسی پابندی سے فیکٹری بھی چل رہی ہے اور اس کو بھی تنخواہ مل رہی ہے، اگر ملازمین وقت کی پابندی کو چھوڑ دیں اپنی مرضی اور سہولت سے ہر ملازم جب چاہے آئے اور جب چاہے چھٹی کرے تو نہ فیکٹری چلے گی اور نہ اس کو تنخواہ ملے گی اسی طرح تاجر اور دکاندار، دفتر اور دکان متعین وقت پر کھولتا اور بند کرتا ہے، اگر خلاف کرے گا تو کاروبار ٹھپ ہو جائے گا۔ جب دنیا کے کاموں کی پابندی باوجود دشوار ہونے کے گوارا ہے تو اسلام کی اس پابندی کو بھی دنیا و آخرت کی ترقی لے لیے مفید سمجھ کر گوارا کیا جائے، لہٰذا اس کو سختی کا نام دے کر ٹھکرانا عدل و انصاف کے خلاف خطرناک گمراہی ہے اور قانونِ شریعت کی پابندی سے اپنے آپ کو مستثنیٰ کرنے کا ایک بدترین حیلہ ہے۔

اس تفصیل سے یہ تو واضح ہو گیا کہ اسلامی قانون پر سختی و تنگی کا الزام سراسر بہتان اور غلط ہے، جو کچھ تنگی اور دشواری ہے وہ محض عام مسلمانوں کی آزادی کی وجہ سے ہے کہ ان کے نزدیک حلال و حرام میں کوئی فرق نہیں ایک معاملہ جو ذرا سے تغیر کے ساتھ حلال ہو سکتا ہے اس کو اپنی بےفکری سے حرام طریق پر کیا جاتا ہے لیکن یہ اشکال اپنی جگہ اب بھی باقی ہے کہ تنگی خواہ مسلمانوں کی بےفکری ہی سے ہو مگر حلال روزی حاصل کرنے والے مخلصین کے لیے دشواریاں تو بہرحال پیدا ہو گئیں وہ مخلص اور شریعت پر چلنے والے مسلمان ایسی صورت میں کیا کریں؟

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

سو جواب اس کا اول تو یہ ہے کہ انسان دنیا کی چندروزہ راحت یا بعض انسانوں کو راضی کرنے کے لیے ہزاروں قسم کی مشقتیں اور مصائب جھیلتا ہے اگر آخرت کی دائمی حیات اور غیر فانی نعمتوں کے لیے اپنے مالک کو راضی کرنے کے لیے بھی اگر کچھ مشقت اٹھائے تو کوئی بڑی بات نہیں بالخصوص جبکہ مشقت اٹھا کر حلال روزی حاصل کرنے کی صورت میں اس کا اجر و ثواب بھی بہت زیادہ بڑھ جائے گا جیسا کہ حدیثِ صحیح میں اس کا وعدہ ہے دوسرے حق تعالیٰ کا یہ بھی وعدہ ہے کہ جو شخص اسکی رضا جوئی کی فکر میں لگتا ہے وہ اس کے لیے مشکلات میں بھی

آسانیاں پیدا فرمادیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ارشادفرماتے ہیں:

والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا.[العنکبوت: ٦٩]

’’یعنی جولوگ ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھائیں گے‘‘اوراس کا مشاہدہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ اس زمانے میں جس قدر معاملات باطلہ وفاسدہ پیش آئے ہیں یاجو مجبوریاں ملازمتوں میں پیش آتی ہیں ان کو لکھ کر علماء سے سوال کیا جائے کہ ان میں گناہ اور حرام سے بچنے کی کوئی شرعی تدبیر بتلائی جائے تو یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ سارے معاملات فاسدہ میں جواز کی صورتیں نکل آئیں گی لیکن بامید قوی کہہ سکتا ہوں کہ اکثر معاملات فاسدہ میں بہت معمولی اور آسان تغیر کے ذریعے جواز وحلت کی صورتیں پیدا ہوجائیں گی اور جو کام وہ حرام کرکے کرتے ہیں حلال کرکے کرسکیں گے لیکن کسی کو حلال کی فکر ہی نہ ہو تو اس کا کیا علاج؟ (جواہر الفقہ :۷/ ۵۲۰،۵۲۱)

ایسے خداترس اور حلال کھانے اور حرام سے بچنے کی مشقت اٹھانے والوں کی خاطر ایک طویل مدت تک اس موضوع پر تفصیلی بیانات ہوتے رہے کہ حرام ذرائع کیا کیا ہیں؟ اور اس کے نقصانات کیا ہیں اور اس سے بچنے کی اہمیت کیا ہے؟ اب ان بیانات اور دوسری کتب کی روشنی میں رسالہ کی شکل میں یہ تفصیلات پیش کی جارہی ہیں۔

شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں حلال کھانے اور حرام سے بچنے کی اہمیت کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور مقدمہ کے بعد ہر حرام ذریعہ پر نصوص میں جو وعیدیں وارد ہوئی ہیں ان کو بیان کرنے کے بعد دورِ حاضر میں اس کی پائی جانے والی صورتوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرما کر مخلص اور خداترس احباب کے لیے حلال ذرائع اختیار کرنے اور حرام ذرائع سے بچنے کا ذریعہ بنائے، آمین ثم آمین

احمد ممتاز

جامعہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم مدنی کالونی ماری پور کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

﴿حلال کی اہمیت﴾

قرآن کریم کی متعدد آیات اور کثیر احادیث میں حلال روزی کی اہمیت، ضرورت اور حاصل کرنے کا حکم صراحۃً وارد ہے ان آیات واحادیث میں سے بعض مع مختصر تشریح کے لکھی جاتی ہیں۔

آیاتِ کریمہ :

آیت نمبر ۱ : يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيطَانِ إِنَّهُ لَكُم عَدُوٌّ مُبِينٌ .[البقرة: ۱۶۸]

اے لوگو! جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے (شرعی) حلال پاک چیزوں (کی نسبت اجازت ہے کہ ان) کو کھاؤ (برتو) اور (اس نامزد کرنے سے ان کی تحریم کا ارتکاب کر کے یا تحریم بطریق تعظیم کو حکم حق عزوجل اور موجب قرب ورضائے حق الٰہی اعتقاد کر کے) شیطان کے قدم بقدم مت چلو فی الواقع وہ (شیطان) تمہارا صریح دشمن ہے (کہ ایسے ایسے خیالات وجہالات سے تم کو خسران ابدی میں گرفتار کر رکھا ہے اور دشمن ہونے کی وجہ سے) وہ تو تم کو ان ہی باتوں کی تعلیم کرے گا جو کہ (شرعاً) بری اور گندی ہیں اور یہ (بھی تعلیم کرے گا) کہ اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جس کی تم سند بھی نہیں رکھتے (مثلاً یہی کہ ہم کو خدا تعالیٰ کا اسی طرح حکم ہے۔(بیان القرآن:۱/۱۰۵)

آیت نمبر ۲ : يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقنَاكُم وَاشكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُم إِيَّاهُ تَعبُدُونَ. [البقرة: ۱۷۲]

اے ایمان والو! (ہماری طرف سے تم کو اجازت ہے کہ) جو (شرع کی رو سے) پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے (جو چاہو) کھاؤ (برتو) اور (اس اجازت

کے ساتھ یہ حکم ہے کہ) حق تعالیٰ کی شکر گزاری کرو (زبان سے بھی ہاتھ پاؤں سے خدمت وطاعت بجالا کر بھی اور دل سے ان نعمتوں کو منجانب اللہ سمجھ کر بھی) اگر تم خاص ان کے ساتھ غلامی کا تعلق رکھتے ہو (اور یہ تعلق ہونا مسلم اور ظاہر ہے پس وجوبِ شکر بھی ثابت ہے)۔

(بیان القرآن:۱/۱۰۷)

آیت نمبر۳: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ. [المائدة:۸۷.۸۸]

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں (خواہ از قسم مطعومات ہوں یا ملبوسات یا منکوحات کی قسم سے ہوں) ان میں لذیذ (اور مرغوب) چیزوں کو (قسم وعہد کر کے اپنے نفس پر) حرام مت کرو اور (حدود شرعیہ سے جو کہ تحلیل وتحریم کے باب میں مقرر ہیں) آگے مت نکلو ۔ بیشک اللہ تعالیٰ حد (شرعی) سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور خدا تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے حلال مرغوب چیزیں کھاؤ (برتو) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو (یعنی تحریم حلال خلاف رضائے حق ہے ۔ ڈرو اور اس کا ارتکاب مت کرو)۔(بیان القرآن:۱/۵۰۶)

تشریح : حلال چیز کو حرام ٹھہرانے کے تین درجے ہیں:

(۱) اعتقاداً اس کو حرام سمجھ لیا جائے۔

(۲) قولاً زبان سے کسی چیز کو اپنے لیے حرام کرے مثلاً قسم کھالے کہ ٹھنڈا پانی نہ پیوں گا یا فلاں قسم کا کھانا نہ کھاؤں گا یا فلاں جائز کام نہ کروں گا۔

(۳) اعتقاد وقول تو کچھ نہ ہو محض عملاً ہمیشہ کے لیے کسی حلال چیز کو چھوڑ دینے کا عزم کر لے ۔

حکم : پہلی صورت میں اگر اس چیز کا حلال ہونا قطعی دلائل سے ثابت ہو تو اس کا حرام سمجھنے والا قانونِ الٰہی کی صریح مخالفت کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔

دوسری صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر الفاظ قسم کھا کر اس چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دیا ہے تو قسم

ہو جائے گی اور اس پر واجب ہے کہ اس قسم کو توڑ کر وہ حلال چیز کھائے اور بعد میں قسم کا کفارہ ادا کرے۔

تیسری صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر اس چھوڑنے کو ثواب سمجھتا ہے تو یہ بدعت اور رہبانیت ہے (جس کا گناہِ عظیم ہونا قرآن وسنت میں منصوص ہے) اس کے خلاف کرنا اور عملاً اس حلال کو استعمال کرنا واجب ہے اور چھوڑنے پر پابند اور قائم رہنا گناہ ہے۔

اگر چھوڑنے کو ثواب نہیں سمجھتا بلکہ کسی جسمانی یا روحانی بیماری کے سبب چھوڑی ہے تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ بعض صوفیاء کرام اور اللہ والوں سے حلال چیزوں کے چھوڑنے کی جو روایات منقول ہیں وہ اسی قسم میں داخل ہیں کہ انہوں نے اپنے تجربہ اور مشاہدے سے ان چیزوں کو اپنے نفس کے لیے مضر سمجھا یا کسی اللہ والے نے مضر بتلایا اس لیے بطور عیب چھوڑ دیا اور اس طرح چھوڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (معارف القرآن ۳/۲۲۰ مع حذف واضافہ)

فائدہ : کلوا ! ہر قسم کے جائز انتفاع کو عام ہے۔

آیت نمبر ۴: **فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاشْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ إِن كُنتُم إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ** .[النحل : ۱۱۴]

(جب کفر وشرک کا اصلاً وفرعاً مذموم ہونا معلوم ہوگیا) سو جو چیزیں اللہ نے تم کو حلال اور پاک دی ہیں ان کو (حرام مت سمجھو کہ رسم شرک ہے بلکہ ان کو) کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم (واقع میں یا بزعم خود) اسی کی عبادت کرتے ہو (جیسے مسلمان واقع میں خدا کی عبادت کرتے تھے اور کفار اس کے مقصود بالذات ہونے کے مدعی تھے کہتے تھے **مانعبدهم الا ليقربونا** پس دونوں خطابوں پر معنے آیت کے واضح ہو گئے تم پر)۔

آیت نمبر ۵: **يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعمَلُوا صَالِحًا**.[المومنون : ۵۱]

(ہم نے جس طرح تم کو اوپر استعمال نعم کی اجازت دی اور عبادت کا حکم کیا اسی طرح

سب پیغمبروں کو اور ان کے ذریعہ سے ان کی امتوں کو بھی یہی حکم دیا کہ) اے پیغمبرو تم (اور تمہاری امتیں نفیس چیزیں کھاؤ (کہ خدا کی نعمتیں ہیں) اور (کھا کر شکر ادا کرو کہ) نیک کام (یعنی عبادت) کرو۔ (بیان القرآن ۲/۵۴۲)

تشریح : طیبات کے لغوی معنی ہیں پاکیزہ اور نفیس چیزیں۔ چونکہ اسلام میں جو چیزیں حرام کردی گئی ہیں نہ وہ پاکیزہ ہیں نہ اہل عقل کے لیے نفیس اور مرغوب۔ اس لیے طیبات سے مراد صرف حلال چیزیں ہیں جو ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے پاکیزہ اور نفیس ہیں۔ اور اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے وقت میں دو ہدایات دی گئی ہیں ایک یہ کہ کھانا حلال اور پاکیزہ کھاؤ دوسرے یہ کہ عمل نیک صالح کرو اور جب حضرات انبیاء علیہم السلام کو یہ خطاب کیا گیا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے معصوم بنایا ہے تو ان کی امت کے لیے یہ حکم زیادہ قابلِ اہتمام ہے اور اصل مقصود بھی امتوں کو اسی حکم پر چلانا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حلال روزی اور عملِ صالح دونوں کو ایک ساتھ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ حلال غذا کا عملِ صالح میں بہت بڑا دخل ہے، جب غذا حلال ہوتی ہے تو نیک اعمال کی توفیق خود بخود ہونے لگتی ہے اور غذا حرام ہو تو نیک کام کا ارادہ کرنے کے باوجود بھی اس میں مشکلات حائل ہو جاتی ہیں، عبادت اور دعا قبول ہونے میں حلال کھانے کو بڑا دخل ہے جب غذا حلال نہ ہو تو عبادات اور دعاء کی مقبولیت کا بھی استحقاق نہیں رہتا۔ (معارف القرآن: ۶/۳۱۵)

حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد :

روزی (حلال طیب اور) بابرکت ہے یا نہیں ؟ اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ (حلال طیب اور) بابرکت روزی کی دو علامتیں ہیں:

(الف) **القناعة** : قناعت نصیب ہو جاتی ہے اور قناعت کا معنی ہے شکر وصبر، یعنی جس کی روزی (حلال طیب اور) بابرکت ہوتی ہے اس کو صبر وشکر کی دولت نصیب ہو جاتی ہے وہ ملی ہوئی چیزوں پر ہمیشہ شکر کرتا ہے اور نہ ملی ہوئی چیزوں پر صبر کرتا ہے۔ ناشکری، شکایت واویلا، بخل اور حرص ولالچ سے اس کا دل پاک ہوتا ہے۔

(ب) توفیقِ طاعة: طاعات وعبادات کی اسے توفیق ملتی رہتی ہے، جس سے طاعات کی توفیق چھین لی جائے تو سمجھ لیجیے کہ روزی سے برکت ختم ہوگئی ورنہ ایسا نہ ہوتا۔
(مرقات ۳۴۱/۵، باب الدعوات فی الاوقات)

احادیثِ مبارکہ:

(۱)عن أبی سعید الخدری قال: قال رسول الله ﷺ: من أكل طيبا وعمل فی سنة وأمن الناس بوائقه دخل الجنة فقال رجل: يا رسول الله ﷺ إن هذا اليوم فی الناس لكثير قال: وسيكون فی قرون بعدی. (ترمذی ۷۸/۲، ط:سعيد)

حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے پاک (حلال) روزی کھائی اور سنت کے مطابق عمل کیا اور لوگ اس کی برائی اور ایذا رسانیوں سے امن میں رہے تو وہ جنت میں داخل ہوگیا، حاضرین نے عرض کیا: اے اللہ (تعالیٰ) کے رسول ﷺ یہ چیز تو آج آپ ﷺ کی امت میں بہت ہے؟ فرمایا: اور میرے بعد کی صدیوں میں بھی ہوگی۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو پورے دین پر عمل کرتے رہتے ہیں، ہاں کثرت وقلت کا فرق ہوسکتا ہے کہ خیر القرون اور اس کے قریب قریب زمانہ میں اس طرح کے لوگوں کی کثرت ہو اور بعد کے زمانوں میں یہ کثرت باقی نہ رہی ہو، لیکن یہ کہنا کسی طرح بھی درست نہیں کہ بعد کے زمانوں میں پورے دین پر چلنا اور حرام سے بچنا ممکن ہی نہیں۔

(۲) عن عبد الله بن عمرو أن رسول الله ﷺ قال: أربع إذا كن فيک فلا عليک ما فاتک من الدنيا حفظ أمانة وصدق حديث وحسن خليقة وعفة فی طعمة.

وأخرجه مطولا ابن المبارک فی الزهد عن ابن عمرو موقوفا وإسناده صحيح (مسند احمد ۱۷۷/۲،مسند عبد الله بن عمر)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چار چیزیں اگر تیرے اندر ہوں گی تو پھر دنیا کی کوئی چیز نہ

ہونے کا تجھے غم نہ ہوگا (وہ چار چیزیں یہ ہیں)

(۱) امانت کی حفاظت (۲) سچ بولنا

(۳) اچھے اخلاق وعادات (۴) پاکیزہ لقمہ (یعنی حلال طیب روزی)

(۳)عن ابن عباس قال: تليت هذه الآية عند النبى ﷺ ﴿يا أيها الناس كلوا مما فى الأرض حلالاً طيباً﴾ فقام سعد بن أبى وقاص فقال : يا رسول الله أدع الله أن يجعلنى مستجاب الدعوة . فقال : يا سعد أطب مطعمك تكن مستجاب الدعوة والذى نفس محمد بيده إن الرجل ليقذف اللقمة الحرام فى جوفه فما يتقبل منه أربعين يوماً وأيما عبد نبت لحمه من السحت والربا فالنار أولى به .(ابن كثير: ۱/۲۰۳ ، ط:قديمى ،در منثور ۱/۳۶۸،ط:دار احياء التراث العربى)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے سامنے یہ آیت تلاوت کی گئی ﴿يا أيها الناس كلوا مما فى الأرض حلالاً طيباً...... ﴾ تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ، اللہ تعالیٰ سے دعاء کیجیے کہ میں مستجاب الدعوات بن جاؤں، آپ ﷺ نے فرمایا: اے سعد! اپنا کھانا حلال اور پاکیزہ بنالو، مستجاب الدعوات بن جاؤ گے''۔

اکلِ حلال کی برکات :

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''معارف القرآن''میں اکل حلال کی تقریباً ایک درجن برکات تحریر فرمائی ہیں، اہمیت کے پیشِ نظران کو نقل کیا جاتا ہے۔

؎ شاید کہ اتر جائے کسی دل میں میری بات

(۱) رزق حلال کا متلاشی فرد اور اقوام اپنے ضروریات کی خود کفیل بن جاتی ہیں دوسری اقوام اور دوسرے ممالک کے محتاج نہیں رہتی۔

(۲) رزقِ حلال سے پیدا ہونے والی اولاد عموماً نیک، صالح، محنتی اور والدین کی اطاعت شعار ہوتی ہے۔

(۳) رزق حلال کی طلب سے قوم پرستی، رشوت، سود خوری، گراں فروشی وغیرہ مہلک اقتصادی امراض کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

(۴) رزقِ حلال کا متلاشی سارا دن تقریباً اپنی محنت میں مصروف رہتا ہے اس لیے لایعنی امور چغلی وغیبت وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے۔

(۵) رزق حلال کھانے سے نیکی کی طرف رغبت اور بدی سے نفرت پیدا ہوتی ہے جس کا مشاہدہ آج بھی کیا جاسکتا ہے۔

(۶) رزقِ حلال کھانے والا شیطان کی پیروی سے محفوظ رہے گا۔

(۷) رزقِ حلال سے اخلاق حسنہ پیدا ہوتے ہیں اور اخلاق رذیلہ سے نفرت ہوتی ہے۔

(۸) رزقِ حلال طیب کھانے والا اللہ کی عبادت کرے گا۔

(۹) رزقِ حلال سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی رضا نصیب ہوتی ہے۔

(۱۰) رزقِ حلال سے قلب میں نور اور معرفت پیدا ہوتی ہے۔

(۱۱) رزقِ حلال سے اعمال صالحہ کی توفیق ملتی ہے، عبادت میں دل لگتا ہے اور گناہ سے دل گھبراتا ہے۔

(۱۲) رزقِ حلال سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور کمائی میں برکت ہوتی ہے، جنت میں داخلہ اور دوزخ سے نجات ملتی ہے۔

(ماخوذ از ارباب علم وکمال، اسلام میں حلال وحرام، ص:۷، معارف القرآن :۱/۴۶۲)

حلال روزی کی برکت واقعات کی روشنی میں :

حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ کا واقعہ:

حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ’’حضرت امام شافعی رحمہ اللہ پر جب بڑھاپا غالب آیا اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تو ان کے شاگردوں میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں جو اِمامِ وقت ہیں اور ایک جلیل القدر امام کے شاگرد ہیں تو امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو لکھا کہ: میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں اب سفر کے قابل نہیں رہا، تم سے ملے عرصہ ہو گیا ہے، ملنے کو جی چاہتا ہے، اگر تم تکلیف کر کے مصر کا سفر کر لو تو تمنا پوری ہو جائے گی۔ حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ: حضرت میں حاضر ہو رہا ہوں اور تاریخ متعین کر کے لکھ دی کہ فلاں تاریخ کو مصر پہنچوں گا، جب وہ تاریخ آئی تو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں خوشی ہی خوشی ہے، بچیاں اچھلتی کودتی پھر رہی ہیں کہ ایک امام وقت ہمارے یہاں مہمان ہوگا، امامِ وقت آنے والا ہے اور تمام مصر میں خوشی ہی خوشی ہو رہی ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ استقبال کے لیے مصر سے کئی میل دور باہر نکل گئے اور جب وہ نکلے تو مصر کے تمام علماء ان کے ساتھ نکلے اور جب تمام علماء ساتھ نکلے تو تمام فوجی حکام بھی ساتھ ہو لیے اور جب وہ ساتھ ہوئے تو بادشاہِ وقت نے بھی کہا کہ میں بھی ساتھ چلتا ہوں، مصر کی حکومت اور قوم سب مل کر امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے استقبال کو کئی میل آگے بڑھے اور بڑے تزک و احتشام کے ساتھ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو لے کر آئے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مہمان ہوئے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مہمان نوازی ضرب المثل ہے، اس قدر مہمان نواز کہ یوں چاہتے تھے کہ سارا گھر مہمان کے پیٹ میں داخل کر دوں، انتہائی مدارات اور تکریم کی، بہت سے قسم کے کھانے پکوائے، اب شام کا وقت ہوا، دستر خوان بچھا کر امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو بلایا گیا، امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح رگر پڑ کر کھایا جیسے کوئی سات وقت کا بھوکا کھانا کھا رہا ہو،

اتنا زیادہ کھایا کہ دوسرے لوگوں کو تحیر پیدا ہوا کہ اتنا کھانا تو متقی کی شان سے بعید ہے کہ آدمی اپنے کو ناک تک بھر لے، جب امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ گھر میں پہنچے تو چونکہ فقہ اور تقویٰ کا زمانہ تھا، بچیوں نے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا دامن پکڑا کہ یہ کیسا امام ہے جو پیٹ بھر کر کھانا کھاتا ہے، یہ تو متقیوں کی شان سے بعید ہے، یہ کس قسم کا امام ہے جس کی آپ تعریف کرتے تھے؟ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: مجھ سے جواب نہ بن پڑا اس لیے کہ مجھے خود ناگوار ہو رہا تھا تو بچیوں سے فرمایا کہ یہ خلجان میرے دل میں بھی ہے کہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام وقت ہوتے ہوئے اتنا کیوں کھایا، مگر میں بول نہیں سکتا تھا اس لیے کہ میں میزبان ہوں۔ اگر میں کہتا کہ تم کم کھاؤ تو اس کا مطلب ہے کہ میں اپنا کھانا بچاتا ہوں، میرا موقعہ نہ تھا مگر میرے دل میں بھی خلجان ہے اس لیے چپ ہو گئے۔ اس کے بعد دونوں امام عشاء کی نماز کے لیے تشریف لے گئے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی صاحبزادیوں نے بستر تیار کیا اور چارپائی کے قریب لوٹا پانی کا بھر کر رکھا تاکہ اخیر شب میں اٹھنے میں وضو وغیرہ کرنے میں دشواری نہ ہو۔ عشاء سے فراغت پر دونوں امام آکر اپنے اپنے مقام استراحت پر آرام فرما ہوئے۔ صبح کا وقت ہوا تو دونوں حضرات صبح کی نماز کو مسجد میں تشریف لے گئے، صاحبزادیوں نے آکر بسترہ لپیٹا تو دیکھا کہ لوٹا اسی طرح پانی سے بھرا ہوا رکھا ہے، اب تو ان کے غصہ کا پارہ اور تیز ہو گیا اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نمازِ فجر سے فراغت پر جب گھر تشریف لائے تو بچیوں نے دامن پکڑ کر کہا یہ کیسا امام ہے، پیٹ بھر کر یہ کھاتا ہے، رات کی تہجد اسے نصیب نہ ہو، وضو اس نے نہیں کیا، یہ کیسا امام ہے جس کی آپ تعریف کر رہے تھے؟ یہ امام کی شان نہیں، یہ تو ایک معمولی مسلمان کی شان ہے کہ بہت سے بہت پانچ وقت کی نماز پڑھ لی، امام کا رتبہ تو بہت بلند ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے صبر نہ ہو سکا، بہر حال استاد تھے، امام احمد سے آکر کہا کہ: اے احمد بن حنبل! یہ تغیر تم میں کب سے پیدا ہوا؟ کھانا کھانے

بیٹھے تو تم نے بہت زیادہ کھایا، میرے بولنے کا موقع نہ تھا، مگر دل میں خلجان ضرور رہا، اس کے بعد لوٹا بھرا رکھا رہا، معلوم ہوا کہ تم تہجد کے لیے نہیں اٹھے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ مسکرائے اور فرمایا: حضرت واقعہ وہ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں، واقعہ کچھ اور ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: کیا واقعہ ہے؟ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: جب کھانا رکھا گیا تو اس کھانے پر اس قدر انوار و برکات کی بارش تھی کہ میں نے دنیا میں اتنے حلال کی کمائی آج تک نہیں دیکھی جتنا آپ کے گھر کا کھانا تھا، اس لیے میں نے چاہا کہ جتنا کھا سکتا ہوں کھا لوں چاہے بعد میں سات دن روزے رکھنے پڑیں، مگر یہ کھانا پھر مجھے نہیں ملے گا، یہ وجہ تو زیادہ کھانا کھانے کی ہے کہ میں نے اس کھانے کو زیادہ کھا لیا۔ پھر اس کھانے پر انوار و برکات کی بارش دیکھی اور اتنا بابرکت اور حلال لقمہ میں نے دنیا میں آج تک نہیں کھایا اور فرمایا کہ: اس کی دو برکتیں ظاہر ہوئیں، ایک علمی اور ایک عملی، علمی برکت تو یہ ظاہر ہوئی کہ رات چارپائی پر لیٹ کر قرآن کی ایک آیت سے فقہ کے سو مسئلے استخراج کیے، میرے اوپر علم کا ایک دروازہ کھل گیا اور عملی برکت یہ کہ عشاء کے وضو سے تہجد پڑھی اور اسی وضو سے نماز فجر پڑھی۔ اس لیے جدید وضو کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کھل گئے اور بچیوں سے کہا: دیکھا ہمارے یہاں امامِ وقت مہمان ہیں، بچیوں کی خوشی کی بھی انتہا نہ رہی''۔

(خطبات حکیم الاسلام: ۳۳/۸، اسلام میں حلال وحرام، ص: ۱۰)

شاہِ افغانستان کا ایک سبق آموز واقعہ :

حکیم الاسلام حضرت قاری طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''افغانستان کے بادشاہ امیر دوست محمد خان صاحب جو امیر عبدالرحمٰن خان صاحب کے والد اور امان اللہ خان کے دادا تھے، بہت دیندار بادشاہ تھے، ان کی دینی باتیں ضرب المثل تھیں، ایک روز وہ شاہی محل سرائے میں آئے تو چہرہ کچھ اداس سا تھا، بیگم نے پوچھا کہ آج آپ کے چہرہ پر غمگینی اور

اداسی کیوں ہے؟ انہوں نے کہا کہ: ایک بہت بڑے حادثے کی اطلاع آئی ہے جس کی بنا پر میں مغموم ہوں اور پریشان ہوں، وہ یہ ہے کہ افغانستان پر کسی دشمن نے حملہ کیا تو میں نے اپنے شہزادے کو فوج دے کر مقابلہ کے لیے بھیجا تھا، آج سرحد سے یہ خبر آئی ہے کہ شہزادے کو شکست ہوگئی ہے اور وہ دوڑتا ہوا آرہا ہے اور دشمن اس کے پیچھے پیچھے ملک کو فتح کرتا ہوا آرہا ہے، تو دوغم مجھے لاحق ہیں ایک تو ملک ہاتھ سے گیا وہ دوسروں کے قبضہ میں چلا جاوے گا۔ دوسرے یہ کہ میرا شہزادہ شکست کھا کے آیا اور بزدلی دکھائی، یہ داغ میرے اوپر مرتے دم تک باقی رہے گا کہ میرا شہزادہ کمزور اور بزدل ہے، ان دوغموں کی وجہ سے میرا چہرہ اداس ہے، بیگم نے کہا کہ: یہ سب جھوٹی باتیں ہیں اور غلط خبر ہے، میرا شہزادہ شکست کھا کر نہیں آسکتا، یہ تو ہو سکتا ہے کہ وہ شہید ہو جائے، لیکن دشمن کو پشت دکھا کر واپس آئے یہ ممکن نہیں یہ خبر جھوٹی ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ: سرکاری پرچہ نویسوں کی اطلاع ہے، اس نے کہا کہ: وہ پرچہ نویس بھی جھوٹے ہیں۔ انہوں نے کہا: خالص بادشاہی دفتر کی اطلاع ہے، اس نے کہا کہ: دفتر بھی جھوٹا ہے، تو امیر نے کہا کہ اب کون اس عورت کو سمجھائے؟ مرغ کی ایک ٹانگ ہانکے جاوے گی۔ نہ اسے سرکاری حکومت کے حالات کی اطلاع، نہ دفاتر کی نہ سرکاری کاغذات کی، اس نے سب کو جھوٹا قرار دے دیا، گھر میں بیٹھنے والی عورت ہے اسے کون سمجھاوے؟ واپس چلے آئے۔ اگلے دن گئے تو چہرہ بہت ہشاش بشاش تھا۔ بیگم نے کہا کہ: کیا بات ہے؟ آج تو بہت خوش ہیں۔ کہا کہ: تم نے جو بات کہی تھی وہی صحیح نکلی، وہ تو صورت یہ ہے کہ دشمن کو بھگا دیا شہزادے نے اور فتح کے شادیانے بجاتا ہوا آرہا ہے، فاتح بن کر آرہا ہے، دشمن کو دور تک بھگا دیا ہے۔ بیوی نے کہا: الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے میری بات سچی کر دی۔ اس پر امیر نے پوچھا کہ آخر تم نے اتنی قوت سے کیسے دعویٰ کیا کہ وہ شکست کھا کر نہیں آرہا ہے؟ کیا تمہیں الہام ہوا تھا؟ اس نے کہا کہ: میں عورت ذات ہوں مجھے الہام سے کیا تعلق اور پھر شاہی بیگم،

سارے عیش کے سامان میسر ہیں، میں ایسی ولیہ کہاں سے بن گئی کہ مجھ پر الہاماتِ خداوندی ہوں۔ امیر نے کہا: پھر آخر ایسی قوت سے تم نے کیسے دعویٰ کیا کہ ساری خبریں جھوٹی ہیں اور واقعی وہ نکلی جھوٹی، یہ کیا بات ہے؟ بیگم نے کہا: یہ ایک راز ہے جسے میں ظاہر کرنا نہیں چاہتی، اب امیر مُصِر ہوئے کہ ایسا کون سا راز ہے بیوی کا جو خاوند سے چھپا رہے؟ خاوند سے زیادہ رازدار کون ہے بیوی کا؟ وہ پوچھنے پر مصر ہیں اور یہ چھپا رہی ہیں، امیر نے کہا: میں بہرحال تم سے پوچھ کر رہوں گا، اب وہ مجبور ہوئی تو اس نے کہا: میں نے عمر بھر یہ بات ظاہر نہیں کی آج میں وہ راز کھولے دیتی ہوں، جب آپ بے حد مصر ہیں۔ وہ یہ ہے کہ جب شہزادہ میرے پیٹ میں آیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ کوئی مشتبہ لقمہ میرے پیٹ میں نہیں جائے گا تو میں نے سلطنت کے خزانے سے ایک پائی نہیں لی اور جو تنخواہ آپ کو ملتی تھی نہ اس سے میں نے کوئی پائی لی، اپنے ہاتھ سے ٹوپیاں بناتی تھی، ان کو بکواتی تھی اس سے میں نے اپنا پیٹ پالا ہے، تو میں نے نو مہینے میں انتہائی تقویٰ سے کامل حلال غذا استعمال کی، اس کے بعد جب یہ پیدا ہوا تو میں نے بجائے دودھ پلانے والیوں کے سپرد کرنے کے کہ کسی انّا کا دودھ پیے میں نے خود ہی دودھ پلایا، اس عہد کو قائم رکھا کہ دو برس تک کوئی مشتبہ لقمہ میرے پیٹ میں نہیں جائے گا، اسی طرح میں نے اپنی دستکاری سے محنت سے کمایا اسے کھایا اور اس کے ساتھ ساتھ میں نے یہ طریقہ بھی اختیار کیا کہ جب یہ دودھ پینے کے لیے روتا تو میں پہلے وضو کرتی پھر دو رکعت نماز نفل پڑھتی اور دعا مانگ کر پھر دودھ پلاتی تھی، پاک صاف ہوکر۔

(اسلام میں حلال وحرام، ص:۱۰)

فائدہ : ملکہ ہوکر کیسے مشتبہ لقمہ سے اپنے آپ کو اور بچے کو بچایا۔ مسلمان مرد اور خواتین اس واقعہ میں غور وفکر کریں اور اپنا جائزہ لیں کہ ہمارا کیا حال ہے؟

﴿اکل حرام سے بچنے کی اہمیت﴾

قرآن وسنت کی متعدد نصوص میں رزق حرام سے بچنے کی تاکید وارد ہے ان نصوص میں سے بعض یہ ہیں.

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

یاایھا الذین اٰمنوا لاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارةً عن تراض منکم" [النساء : ۲۹]

" اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق (یعنی غیر مباح) طور پر مت کھاؤ لیکن (مباح طور پر ہو مثلاً) کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے واقع ہو (بشرطیکہ اس میں اور بھی سب شرائط شرعیہ ہوں) تو مضائقہ نہیں"۔(بیان القرآن ۱/۳۴۴)

اس آیت کے تحت مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اس آیت میں صرف تجارت ذکر کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کسبِ معاش کے ذرائع میں سے تجارت اور محنت سب سے افضل اور اطیب ذریعۂ معاش ہے۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سی کمائی حلال اور طیب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "**عمل الرجل بیده و کل بیع مبرور**" یعنی انسان کے ہاتھ کی مزدوری اور ہر سچی بیع وشراء (جس میں جھوٹ اور فریب نہ ہو)۔

(معارف القرآن ۲/۳۷۹)

﴿ہر عبادت کی روح اور جان حلال رزق (اکل حلال) ہے﴾

عن أبی ھریرة رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللّٰه ﷺ : إن اللّٰه طیب لا یقبل إلا طیبا و إن اللّٰه أمر المؤمنین بما أمر به المرسلین فقال: یا أیھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا. و قال:﴿ یا أیھا

الـذيـن آمنوا كلوا من طيبات ما رزقناكم﴾ ثم ذكر الرجل يطيل السـفـر أشعـث أغبـر يمد يديه إلى السماء، يا رب يا رب و مطعمه حـرام و مشـربه حرام و ملبسه حرام و غذى بالحرام فأنّٰى يُستجاب لذلك. رواه مسلم. (مشكوة صـ ۲۴۱)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ (تمام کمی اور عیوب سے) پاک ہے، اس پاک ذات کی بارگاہ میں صرف وہی (صدقات و اعمال) مقبول ہوتے ہیں جو (شرعی عیوب اور نیت کے فساد سے پاک ہوں) یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے جس چیز (یعنی حلال مال کھانے اور اچھے اعمال) کا حکم اپنے رسولوں کو دیا ہے اسی چیز کا حکم تمام مؤمنوں کو بھی دیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے رسولو! حلال روزی کھاؤ اور اچھے اعمال کرو، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مؤمنو! تم صرف وہی پاک اور حلال رزق کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے''۔

عـن أبى سعيد رضی اللہ عنہ قـال : قـال رسول الله ﷺ: التـاجر الصدوق الأمين مع النبيين و الصديقين و الشهداء. رواه الترمذى .
(مشكوة ص: ۲۴۳)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: (قول وفعل میں) نہایت سچائی اور نہایت دیانتداری کے ساتھ کاروبار کرنے والا شخص نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔''

پھر آپ ﷺ نے (بطورِ مثال) ایک شخص کا حال ذکر کیا کہ وہ طویل سفر (اختیار) کرتا ہے، پراگندہ بال اور غبار آلودہ ہے، وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتا ہے کہتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! (یعنی وہ اپنے مقاصد کے لیے دعا مانگتا ہے) حالانکہ کھانا اس کا حرام، لباس اس کا حرام (شروع سے اب تک) پرورش اس کی حرام (ہی غذاؤں) سے ہوئی پھر کیونکر اس کی دعا قبول کی جائے۔

﴿حرام کی قباحت﴾

(۱) عن النعمان بن بشير رضي الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ: الحلال بيّن و الحرام بيّن و بينهما مشتبهات لا يعلمهن كثير من الناس فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه و عرضه و من وقع فى الشبهات وقع فى الحرام كالراعى يرعى حول الحمى يوشك أن يرتع فيه ألا و إن لكل ملك حمى ألا و إن حمى الله محارمه ألا و إن فى الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله و إذا فسدت فسد الجسد كله ألا و هى القلب. متفق عليه. (مشكوة صـ ۲۴۱)

’’حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اوران دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے لہٰذا جس شخص نے مشتبہ چیزوں سے پرہیز کیا اس نے اپنے دین اوراپنی عزت کو پاک ومحفوظ کرلیا (یعنی مشتبہ چیزوں سے بچنے والے کے نہ تو دین میں کسی خرابی کا خوف رہے گا اور نہ کوئی طعن وتشنیع کرے گا) اور جو شخص مشتبہ چیزوں میں مبتلا ہوا وہ حرام میں مبتلا ہو گیا اور اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو ممنوعہ چراگاہ کی مینڈھ (کنارے) پر چراتا ہے اور ہر وقت اس کا امکان رہتا ہے کہ اس کے جانور اس ممنوعہ چراگاہ میں گھس کر چرنے لگیں۔ جان لو! ہر بادشاہ کی ممنوعہ چراگاہ ہوتی ہے اور یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی ممنوعہ چراگاہ حرام چیزیں ہیں اوراس بات کو بھی ملحوظ رکھو کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست حالت میں رہتا ہے (یعنی جب وہ ایمان وعرفان اور یقین کے نور سے منور رہتا ہے) تو (اعمالِ خیر اور حسنِ اخلاق واحوال کی وجہ سے) پورا جسم درست حالت میں رہتا ہے اور جب اس ٹکڑے میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے، یاد رکھو! گوشت کا وہ ٹکڑا دل ہے‘‘۔

حدیث کی تشریح :

مشتبہات کی وضاحت: دل میں جو شبہہ پیدا ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

(قسمِ اول) جو ناشی عن دلیل ھو : یعنی شبہہ کسی دلیل کی بنیاد پر ہو، خواہ وہ دلیل دوسرے دلائل کے مقابلے میں مرجوح کیوں نہ ہو۔ اس شبہہ کا اعتبار ہے اور تقویٰ کا تقاضا ہے کہ اس شبہہ کی وجہ سے بھی تنزّہ اور احتیاط کے پہلو کو اختیار کیا جائے۔

اس شبہہ کی چند مثالیں:

(۱) مجتہد کے نزدیک ادلّہ متعارض ہوں اور ترجیح نہ دے سکے، جیسے ماءِ مشکوک واقع میں یقیناً یا طاہر ہے یا نجس، مگر تعارضِ ادلّہ سے شبہہ ہو گیا۔

(۲) اختلافِ مجتہدین کی وجہ سے غیر مجتہد کو شبہہ ہو جائے یا اختلافِ علماء کی وجہ سے عامی شبہہ میں پڑ جائے جبکہ مجتہد اور عالم کو کچھ شبہہ نہ ہو۔ ایسی صورت میں اگر حرمت اور وجوب کا اختلاف ہے کہ ایک فریق حرام کہتا ہے اور دوسرا واجب تو حتی الامکان احتیاط کا پہلو اختیار کرنا چاہیے۔ اگر حلت اور حرمت کا اختلاف ہے تو تنزّہ اور ترک اولیٰ ہے۔

(۳) تحقیقِ مناط میں شبہہ ہو، جیسے دار الحرب اور دار الاسلام کے احکام مختلف ہیں مگر کسی ملک کے دار الاسلام یا دار الحرب ہونے میں شبہہ ہو۔

(۴) خود شریعت نے کسی چیز کو ذو وجہین بنا دیا ہو، جیسے مکروہِ تنزیہی کو من وجہ حرام سے مشابہت ہے اور من وجہ حلال سے۔

(قسمِ ثانی) وہ شبہہ جو ناشی عن غیر الدلیل ھو: یعنی یہ شبہہ کسی دلیل کی بنیاد پر نہ ہو، اس کو شریعت کی اصطلاح میں ''وسوسہ'' کہتے ہیں اور وسوسہ کا کوئی اعتبار نہیں، اس کی وجہ سے کسی جائز کام کو ترک کرنا تقویٰ نہیں بلکہ ایسے شبہات اور وساوس کا حکم یہ ہے کہ ان پر عمل نہ کرے بلکہ ان کی طرف دھیان تک بھی نہ دے۔ عام لوگ وسوسہ کو شبہہ سمجھنے لگتے ہیں اور پھر بچنے کے اہتمام کی مشقت اٹھاتے ہیں، لہٰذا خوب سمجھ لیجیے کہ شبہہ وہ ہے جس کی بنیاد دلیل ہو اور جہاں بنیاد دلیل نہیں وہ شبہہ نہیں بلکہ وسوسہ ہے۔

شبہات سے بچنا واجب ہے یا مستحب؟ : جو شبہات ناشی عن دلیل ہوں وہاں بچنا مستحب ہے یا واجب؟ اس کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر وہ شے جس میں شبہہ وارد ہوا ہے، ان اشیاء میں سے ہے جن میں اصل اباحت ہے اور دلیل کی وجہ سے حرمت کا شبہہ پیدا ہوا تو اس شبہہ کی وجہ سے اس مباح شے کا ترک واجب نہیں ہوتا بلکہ مستحب ہوتا ہے اور تقویٰ کا تقاضا ہوتا ہے، جیسے کسی عورت سے نکاح کیا گیا، بعد میں ایک مُرضِعہ (دودھ پلانے والی) نے کہا کہ میں نے ان دونوں کو دودھ پلایا ہے تو ایسی صورت میں اس کے کہنے سے ان میں علیحدگی واجب نہیں صرف مستحب اور تقویٰ ہے کیونکہ نکاح کی وجہ سے اباحتِ اصلیہ ثابت ہوگئی اور مرضعہ کی خبر سے حرمت کا شبہہ پیدا ہوا۔

اگر مورِدِ شبہہ ان اشیاء میں سے ہو جن میں اصل حرمت ہو اور پھر شبہہ پیدا ہو جائے تو اس صورت میں شبہہ سے بچنا واجب ہے جیسے جانور میں اصل حرمت ہے، جب شریعت کے مطابق ذبح کیا جائے تب حلال کہا جائے گا، لہٰذا ذبحِ شرعی کا جب یقین ہوگا حلال ہوگا اور اگر اس میں شبہہ عن دلیل پیدا ہو گیا کہ ذابح مسلمان تھا یا ہندو اور سکھ، اور ملک بھی ہندوؤں یا سکھوں کا ہے تو اس شبہہ کی وجہ سے حلال نہ ہوگا بلکہ حرام سمجھا جائے گا کیونکہ اصل حرمت ہے اور حلت میں شبہہ ہے۔

الحاصل ! اگر اصل اباحت ہے اور شبہہ حرمت کا ہے تو ترک مستحب ہے، واجب نہیں۔ اگر اصل حرمت ہے اور شبہہ حلت میں ہے تو بچنا واجب ہے، مستحب نہیں۔

دورِ حاضر کی بعض اشیاء اور حلت و حرمت کا حکم:

آج کل بعض مشروبات وماً کولات کے متعلق لوگ افراط وتفریط کا شکار ہیں، بعض کہتے ہیں کہ یہ کفار کی مصنوعات ہیں جن میں حرام کی ملاوٹ کا شبہہ ہے لہٰذا اس شبہہ کی وجہ سے ان کا استعمال حرام ہے اور بعض ان کے بالکل برعکس یہ کہتے ہیں کہ شبہات کے پیچھے کہاں تک جائیں گے لہٰذا ہر چیز کا استعمال مطلقاً حلال ہے۔

ان دونوں نظریات میں راہِ اعتدال مندرجہ بالا ضابطہ کے پیشِ نظر یہ ہے کہ جن

مأ کولات ومشروبات میں اصل حلت ہے جیسے ڈبل روٹی، وہ شبہۂ حرمت سے حرام نہ ہوگی البتہ شبہہ ناشی عن دلیل کی وجہ سے کوئی اپنی ذات کے لیے احتیاط کرے تو مستحب ہے۔ ہاں اگر یقین یا ظنِ غالب سے حرام اشیاء کی ملاوٹ ثابت ہوجائے تو حرمت ثابت ہوگی اور اس سے بچنا واجب ہوگا اور جن میں اصل حرمت ہے جیسے کفار کے ملکوں سے سپلائی شدہ گوشت، وہ شبہۂ حلت سے اس وقت تک حلال نہ ہوگا جب تک ظنِ غالب اور یقین کے درجہ میں حلت ثابت نہ ہوجائے۔

(۱)عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عن رسول اللّٰہ ﷺ قال: لا یکسب عبد مال حرام فیتصدق منہ فیقبل منہ و لا ینفق منہ فیبارک لہ فیہ و لا یترکہ خلف ظھرہ إلا کان زادہ إلی النار، إن اللّٰہ لا یمحو السیئ بالسیئ و لکن یمحو السیئ بالحسن إن الخبیث لا یمحو الخبیث، رواہ أحمد و کذا فی شرح السنۃ.

(مشکوۃ ص: ۱/۲۴۲)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ حرام مال کما کر اس میں سے صدقہ وخیرات کرتا ہو اور اس کا وہ صدقہ قبول کرلیا جاتا ہو (یعنی اگر کوئی شخص حرام ذرائع سے کمایا ہوا مال صدقہ وخیرات کرے تو اس کا صدقہ قطعاً قبول نہیں ہوتا اور نہ اسے کوئی ثواب ملتا ہے) اور نہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ شخص اس حرام کو (اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال پر) خرچ کرتا ہو اور اس میں اسے برکت حاصل ہوتی ہو (یعنی حرام مال میں سے جو بھی خرچ کیا جاتا ہے اس میں بالکل برکت نہیں ہوتی) اور جو شخص (اپنے مرنے کے بعد) حرام مال چھوڑ جاتا ہے اس کی حیثیت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں رہتی کہ وہ مال اس شخص کے لیے ایک ایسا توشہ بن جاتا ہے جو اسے دوزخ کی آگ تک پہنچادیتا ہے اور (یہ بات یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ برائی کو برائی کے ذریعے دور نہیں کرتے بلکہ برائی کو بھلائی کے ذریعے دور کرتے ہیں اسی طرح ناپاک مال، ناپاک مال کو دور نہیں کرتا (یعنی حرام مال بُرائی کو دور نہیں کرتا بلکہ حلال مال بُرائی کو دور کرتا ہے)''۔

(۲) عن أبی بکر ﷛ أن رسول اللّٰہ ﷺ قال: لا یدخل الجنة جسد غذی بالحرام. رواہ البیھقی فی شعب الإیمان.

(مشکوۃ ص: ۲۴۲)

''حضرت ابوبکر ﷛ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: جس بدن نے حرام مال سے پرورش پائی ہوگی وہ (شروع ہی میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ اور سزا بھگتے بغیر) جنت میں داخل نہیں ہوگا''۔

(۳) عن ابن عمر ﷛ قال: من اشتری ثوبا بعشرۃ دراھم وفیه درھم حرام لم یقبل اللّٰہ له صلاۃ ما دام علیه ، ثم أدخل أصبعیه فی أذنیه و قال: صمتا إن لم اکن النبی ﷺ سمعته یقوله ، رواہ احمد والبیھقی. (مشکوۃ ص: ۲۴۳)

''حضرت ابن عمر ﷛ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص (مثلاً) ایک کپڑا دس درہم میں خریدے اور ان میں ایک درہم بھی حرام مال کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس شخص کی نماز قبول نہیں کرے گا جب تک کہ آدمی کے جسم پر وہ کپڑا ہوگا، اس کے بعد حضرت ابن عمر ﷛ نے اپنی (شہادت کی) دونوں انگلیاں اپنی کانوں میں ڈالیں اور کہا کہ یہ دونوں کان بہرے ہوجائیں اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہو''۔

(۴) عن جابر ﷛ قال : قال رسول اللّٰہ ﷺ: لا یدخل الجنة لحم نبت من السحت و کل لحم نبت من السحت کانت النار أولی به، رواہ أحمد و الدارمی و البیھقی فی شعب الایمان (مشکوۃ ص: ۸)

ترجمہ: حضرت جابر ﷛ فرماتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: وہ گوشت جس نے حرام مال سے پرورش پائی ہے جنت میں داخل نہیں ہوگا اور جو گوشت (یعنی جو جسم) حرام مال سے نشو ونما پائے وہ دوزخ کی آگ کے زیادہ لائق ہے۔

(۵) عن أبی بکر ﷛ أن رسول اللّٰہ ﷺ قال: لا یدخل الجنة

جسد غذی بالحرام. رواه البیهقی فی شعب الإیمان.

(مشکوۃ ص: ۲۴۲)

ترجمہ: حضرت ابو بکر ﷺ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: جس بدن نے حرام مال سے پرورش پائی ہوگی وہ (شروع ہی میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ، اور سزا بھگتے بغیر) جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

(۶) عن عطیة السعدی ﷺ قال : قال رسول اللّٰه ﷺ: لا یبلغ العبد أن یکون من المتّقین حتی یدع ما لا بأس به حذراً لما به بأس، رواه الترمذی و ابن ماجه. (مشکوۃ ص: ۲۴۲)

ترجمہ: حضرت عطیہ سعدی ﷺ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بندہ اس وقت تک (کامل) پرہیز گاروں کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا، جب تک کہ وہ ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن میں کوئی قباحت نہیں ہے، تا کہ اس طرح وہ ان چیزوں سے بچ سکے جن میں قباحت ہے۔

(۷) عن عائشة قالت : کان لأبی بکر ﷺ غلام یخرج له الخراج فکان أبو بکر یأکل من خراجه فجاء یوما بشیء فأکل منه أبو بکر فقال له الغلام: تدری ما هذا؟ فقال أبو بکر: وما هو؟ قال: کنت تکهنت لإنسان فی الجاهلیة و ما أحسن الکهانة إلا أنی خدعته فلقینی فأعطانی بذلک فهذا الذی أکلت منه قالت: فأدخل أبو بکر یده فقاء کل شیء فی بطنه. رواه البخاری

(مشکوٰۃ ص: ۲۴۳)

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کے پاس ایک غلام تھا جو کمائی میں ایک مقررہ حصہ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کو دیا کرتا تھا (جیسا کہ اہلِ عرب کا معمول تھا کہ وہ اپنے غلاموں کو کمائی پر لگا دیا کرتے تھے اور ان کو حاصل ہونے والی اجرت

میں سے کوئی حصہ اپنے لیے مقرر کرلیا کرتے تھے) چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس غلام کی لائی ہوئی چیز کو کھالیا کرتے تھے ایک مرتبہ وہ غلام کوئی چیز لایا جس میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی کھایا، ان کے کھانے کے بعد غلام نے کہا کہ آپ جانتے بھی ہیں کہ یہ کیسی چیز ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے کیا معلوم، تم ہی بتاؤ یہ کیسی چیز ہے؟ غلام نے کہا کہ میں ایامِ جاہلیت میں (یعنی اپنی حالتِ کفر میں) ایک شخص کو غیب کی باتیں بتایا کرتا تھا حالانکہ میں کہانت کا فن (یعنی پوشیدہ باتیں بتانے کا فن) اچھی طرح نہیں جانتا تھا بلکہ میں اس کو (غلط سلط باتیں بنا کر) فریب دیا کرتا تھا (اتفاقاً آج) اس شخص سے میری ملاقات ہوگئی تو اس نے مجھے یہ چیز دی، یہ وہی چیز تھی جو آپ نے کھائی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ (یہ سنتے ہی) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے منہ (حلق) میں ہاتھ ڈال کر قے کردی اور جو کچھ پیٹ میں تھا (از راہِ احتیاط) سب باہر نکال دیا''۔

(۸) عن زيد بن أسلم أنه قال: شرب عمر بن الخطاب لبناً و أعجبه و قال للذی سقاه: من أين لک هذا اللبن؟ فأخبره أنه ورد علی ماء قد سماه فإذا نعم من نعم الصدقة و هم يسقون فحلبوا لی من ألبانها فجعلته فی سقائی و هو هذا فأدخل عمر يده فاستقائه، رواه البيهقی. (مشكوة ص: ۲۴۳)

''حضرت زید بن اسلم (جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے) کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دودھ پیا جو اُن کو عجیب معلوم ہوا، انہوں نے اس شخص سے جس نے دودھ لاکر پلایا تھا پوچھا کہ یہ دودھ تمہیں کہاں سے ملا؟ تو اس نے بتایا کہ میں پانی کے ایک چشمے یا کنویں پر گیا تھا (اس نے چشمے یا کنویں کا نام بھی بتایا) وہاں میں نے دیکھا کہ زکوٰۃ کے کچھ جانور ہیں اور ان کے نگران ان کا دودھ نکال کر لوگوں کو پلا رہے ہیں، چنانچہ انھوں نے میرے لیے بھی دودھ دوہا جو میں نے لے کر اپنی مشک میں ڈال دیا یہ وہی دودھ تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (اپنے حلق میں) ہاتھ ڈال کر قے کردی (اور اس دودھ کو پیٹ سے باہر نکال دیا کیونکہ وہ زکوٰۃ کا مال تھا جو ان کے لیے جائز نہ تھا)''۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی دیانت واحتیاط کے دوواقعات

(۱) امام مسہر بن عبد الملک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کپڑا لایا اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کرنا چاہا، آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے پوچھا اس کی کتنی قیمت ہے؟ وہ بولا ایک ہزار، امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی قیمت اس سے بدرجہا زیادہ ہے حتیٰ کہ آٹھ ہزار پران کا معاملہ طے ہوا۔

(۲) ایک دفعہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک تلمیذ (شاگرد) نے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی عدم موجودگی میں مدینہ منورہ کے ایک رہائشی کے ہاتھ چارسو درہم کا گرم کپڑا غلطی سے ایک ہزار درہم میں بیچ دیا، امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو جب اس معاملہ کا علم ہوا تو شاگرد کو سخت تنبیہ فرمائی اور اس کو دکان کے سلسلے سے الگ کر دیا، اور اس خریدار کا حلیہ پوچھ کر اس کے پیچھے ہو لیے، جب اس شخص سے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات ہوئی تو کافی اصرار اور تکرار کے بعد چھ سو درہم اسے واپس کر دیے اور کپڑا اس کے پاس چھوڑ کر پھر کوفہ لوٹ کر آئے، چنانچہ امام موفق رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں ”**فرد علیہ ست مائة و ترک علیه الثوب و رجع الی الکوفة**“ (سیدنا امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی محدّثانہ جلالتِ شان، صفحہ: ۷۰)

حرام روزی کی نحوست و قباحت ایک نظر میں :

جس طرح حلال کھانے کی بڑی برکتیں ہیں اسی طرح حرام کھانے کی بہت سی نحوستیں ہیں۔

(۱) رزق حرام سے پیدا ہونے والی بدنی اور دماغی قوت نافرمانی کی طرف رغبت کرتی ہے اور وہ انسان اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر مردود ہو جاتا ہے کہ اس کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔

(۲) رزق حرام کے لیے محنت کرنے والے افراد اور اقوام اپنا سارا وقت غیبت، غلط منصوبہ سازی وغیرہ میں صرف کر دیتے ہیں۔

(۳) رزق حرام کی متلاشی قوم اور افراد دوسروں کے محتاج رہتے ہیں۔

(۴) رزق حرام سے پیدا شدہ اولاد عموماً بداعمال اور والدین کی نافرمان ہوتی ہے۔

(۵) رزق حرام کا طلبگار سود خوری، گرانفروشی بلکہ قتل تک کے گناہ کبیرہ کا مرتکب بن جاتا

ہے آج کے دور میں اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

(۶) اعمال صالحہ کی توفیق نہیں ملتی۔

(۷) اگر کرے بھی تو حلاوت نصیب نہیں ہوتی۔

(۸) دعا قبول نہیں ہوتی۔

(۱۰) مال میں برکت نہیں ہوتی۔

(۱۱) حرام سے بجائے اچھے اعمال کے برے اعمال کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔

(۱۲) حرام کھانے کا اولاد پر برا اثر ہوتا ہے۔

(۱۳) حرام جس رستے سے آتا ہے اسی رستے نکل جاتا ہے۔

(۱۴) حرام کھانے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

(۱۵) حرام سے پلنے والے گوشت (جسم) کے لیے جہنم ہی لائق وسزاوار ہے۔

(ماخوذ از ارباب علم وکمال، حلال وحرام، معارف القرآن :۱/۴۶۲)

حرام روزی کی نحوست وقباحت واقعات کی روشنی میں :

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ :

علامہ شہاب الدین احمد بن سلامہ قلیو بی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۰۶۹ھ) تحریر فرماتے ہیں: حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۲۶۱ھ) کے بارے میں یہ حکایت بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے کئی سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کی لیکن عبادت کا مزہ اور لذت نہ پائی تو والدہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ اماں جان مجھے عبادت وطاعت میں حلاوت محسوس نہیں ہوتی آپ ذرا غور کیجیے کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ جب میں پیٹ میں تھا یا دودھ پیتا تھا اس زمانہ میں آپ نے کوئی چیز حرام کھالی ہو؟ انہوں نے بہت دیر سوچنے کے بعد فرمایا کہ بیٹا جب تم میرے پیٹ میں تھے تو ایک دفعہ ایسا ہوا تھا کہ میں چھت پر چڑھی تو وہاں ایک مرتبان پر نظر پڑی جس میں پنیر تھا، میرا پنیر کھانے کو جی چاہا تو میں نے اس میں سے انتہائی معمولی سا پنیر اس کے مالک کی اجازت کے بغیر کھالیا تھا، حضرت بایزید رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا

کہ مجھے عبادت میں حلاوت محسوس نہ ہونے کی بس یہی وجہ ہے، براہِ کرم آپ مرتبان کے مالک کے پاس جائیے اور اسے یہ سارا قصہ سنائیے چنانچہ وہ اس کے پاس گئیں اور اسے سارا قصہ سنایا اس نے کہا کہ وہ میں نے تمہارے لیے حلال کیا (یعنی معاف کردیا) آپ نے واپس آکر اپنے صاحبزادے (حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ) کو اس کی اطلاع دی، اس کے بعد آپ کو طاعت وعبادت میں حلاوت محسوس ہونے لگی۔

(قلیوبی عربی ص:۳۷، بحوالہ اسلام میں حلال وحرام، ص:۳۲)

ایک بزرگ کے صاحبزادے کا قصہ:

''حضرت شیخ ابراہیم شبرخیتی مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ ایک شخص ایک ولی اللہ کی زیارت کے ارادے سے چلا، جب وہ ان کی قیام گاہ پر پہنچا تو اندر سے ایک نوجوان متکبرانہ ہیئت میں باہر نکلا، اس نووارد نے اس نوجوان کو سلام کیا مگر اس نے سلام کا جواب نہیں دیا، اس شخص کو تعجب ہوا، لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھا کہ یہ نوجوان کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت شیخ کا صاحبزادہ ہے، جب وہ شیخ باہر تشریف لائے تو اس شخص کو ان کی تواضع اور حسنِ اخلاق دیکھ کر بے حد تعجب ہوا، دل میں کہنے لگا کہ: ایسی بزرگ شخصیت کا ایسا بیٹا؟ اس سے رہا نہ گیا اور شیخ سے بیٹے کی بداخلاقی کے متعلق استفسار کیا، شیخ نے فرمایا: حیران مت ہو، (قصہ یہ ہے کہ) میں کئی دنوں سے بھوکا تھا، میرے پڑوسی کو اس کی اطلاع ہوگئی جو بادشاہ کے مقربین میں سے تھا، وہ بادشاہ کے گھر سے میرے لیے کھانا لے آیا میں نے وہ کھانا کھایا تو اس سے صحبت کرنے کی شدید خواہش ہونے لگی (میں نے بیوی سے صحبت کی) یہ لڑکا اسی خوراک کے نطفہ سے پیدا ہوا''۔ (الفتوحات الوہبیہ: ص۱۲۰ بحوالہ اسلام میں حلال وحرام، ص:۳۸)

کوفہ میں مستجاب الدعوات لوگوں کا واقعہ :

''حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

مؤرخین نے لکھا ہے کہ کوفہ میں مستجاب الدعوات لوگوں کی ایک جماعت تھی، جب کوئی

حاکم ان پر مسلط ہوتا اس کے لیے بد دعا کرتے وہ ہلاک ہو جاتا، حجاج ظالم کا جب وہاں تسلط ہوا تو اس نے ایک دعوت کی جس میں ان حضرات کو خاص طور پر شریک کیا اور جب کھانے سے فارغ ہو چکے تو اس نے کہا کہ میں ان لوگوں کی بد دعا سے محفوظ ہو گیا کہ حرام کی روزی ان کے پیٹ میں داخل ہو گئی"۔ (فضائل رمضان: ص ۲۸، بحوالہ اسلام میں حلال وحرام، ص: ۳۴)

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ:

"علامہ شہاب الدین احمد قیلوبی شافعی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۶۹ھ) فرماتے ہیں کہ: حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۶۳ھ) کے متعلق حکایت بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ جب کہ وہ مکہ مکرمہ میں تھے، انہوں نے ایک شخص سے کھجوریں خریدیں، اتفاق سے دو کھجوریں ان کے پاؤں کے درمیان زمین پر گر پڑیں، انہوں نے یہ سوچ کر کہ میری خریدی ہوئی کھجوروں میں سے گری ہوں گی وہ کھجوریں زمین سے اٹھا کر کھا لیں، پھر بیت المقدس تشریف لے گئے وہاں آپ "قبۃ الصخرۃ" میں داخل ہوئے (دوسرے لوگ چلے گئے) اور آپ تنہا وہاں رہ گئے، وہاں دستور یہ تھا کہ قبہ میں جو کوئی ہوتا اسے وہاں سے عصر سے پہلے نکال کر خالی کر دیا جاتا تھا تا کہ وہ عصر کے بعد سے لے کر رات بھر فرشتوں کے لیے مخصوص رہے، چنانچہ منتظمین نے لوگوں کو قبہ سے نکال دیا۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ چھپ گئے اور لوگ انہیں نہ دیکھ سکے، اس طریقے سے آپ رات اس قبہ کے اندر ہی رہے، رات کو فرشتے آئے اور بولے کہ یہاں کوئی بنی آدم (انسان) معلوم ہوتا ہے، ان میں سے ایک نے کہا کہ: خراسان کے عابد ابراہیم بن ادہم معلوم ہوتے ہیں، دوسرے نے کہا کہ: ہاں وہی ہیں، تیسرا بولا: یہ وہی شخص ہیں کہ ہر روز ان کے اعمال قبول ہو کر اوپر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں، چوتھا بولا: بات تو یہی ہے مگر ایک سال سے ان کی عبادت (اوپر جانے) سے موقوف ہو گئی ہے اور اتنی مدت سے ان کی دعا بھی قبول نہیں ہوئی اور سبب اس کا وہ دو کھجوریں بنی ہیں (جو انہوں نے مکہ مکرمہ میں اپنی سمجھ کر زمین سے اٹھا کر کھا لی تھیں) پھر یہ فرشتے اپنی عبادت میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ صبح صادق ہو گئی، دربان آیا، اس نے قبہ کا دروازہ

کھولا، جناب ابراہیم نکلے اور سیدھے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر اسی دکان کے دروازے پر آئے، دیکھا کہ ایک نوجوان کھجوریں بیچ رہا ہے، آپ نے اس سے فرمایا کہ پچھلے سال یہاں ایک بڑے میاں کھجوریں بیچتے تھے وہ کہاں گئے؟ اس نے کہا کہ وہ تو فوت ہوگئے، آپ نے اسے سارا قصہ سنایا، اس نے کہا کہ: ان دونوں کھجوروں میں سے میرا حصہ تو آپ کے لیے حلال ہے (یعنی میں نے معاف کیا) البتہ میری ایک بہن اور والدہ ہیں، آپ نے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ اس نے کہا کہ: وہ گھر میں ہیں، آپ ان کے گھر تشریف لائے اور دروازہ کھٹکھٹایا، ایک خاتون بڑی لاٹھی سے سہارا لیتے ہوئے باہر نکلی، آپ نے انہیں سلام کیا۔ بڑی بی نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ آپ نے انہیں بھی سارا قصہ سنایا، بڑی بی نے کہا کہ میرا حصہ بھی آپ کے لیے حلال ہے، پھر آپ نے اس کی بیٹی سے بھی اس کا حصہ حلال کروایا اور پھر بیت المقدس تشریف لے گئے، اور اسی طرح قبہ میں داخل ہو کر رات گزاری، فرشتے آئے اور آپس میں کہنے لگے: یہ ابراہیم بن ادہم ہیں جن کے ایک سال سے اعمال اوپر جانے سے موقوف ہو گئے تھے اور ان کی دعا قبول نہیں ہوتی تھی، اب جب کہ یہ وہ کھجوریں معاف کرا آئے ہیں تو ان کے اعمال بھی قبول ہونے لگے اور دعا بھی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے درجہ کی طرف لوٹا دیا ہے، حضرت ابراہیم بن ادہم یہ سن کر خوشی کے مارے رو پڑے۔ (قلیوبی عربی: ص ۳۹ بحوالہ اسلام میں حلال وحرام: ص ۳۴)

لمحہ فکریہ: آج کل ایسا دور جا رہا ہے کہ کسی کو اس چیز کی فکر ہی نہیں کہ حلال کھا رہا ہے یا حرام؟...... شاید! ایسے ہی دور کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا:

یاتی علیٰ الناس زمان لا یبالی المرء مااخذمنه امن الحلال ام من الحرام.(بخاری : ۱/۲۷۶)

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جس میں آدمی کو اس چیز کی بالکل پرواہ نہیں ہوگی کہ اس نے کس ذریعہ سے مال حاصل کیا ہے حرام ذریعہ سے یا حلال ذریعہ سے۔ صرف اسی پر بس نہیں اب تو انتہائی خطرناک صورت حال یہ پیدا ہوگئی ہے کہ لوگ حرام صریح کو حلال سمجھ کر کھانے لگے ہیں

اور حضور ﷺ کی اس پیش گوئی کو پورا کر رہے ہیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''سب سے پہلے اسلام کو بگاڑنے کی کوشش کی جائے گی کہ شراب پییں گے! صحابہ کرام ﷺ نے عرض کیا کہ مسلمان شراب پییں گے؟ حالانکہ خدانے اسے سختی سے منع فرمایا ہے: آپ نے فرمایا اس کا نام بدل کر حلال کرلیں گے''۔ (مسند دارمی ۲/۱۵۵، رقم الحدیث: ۲۱۰۰، ط: دارالاکتب العربی، بیروت)

اس کے برعکس ہمارے اسلاف کا حال یہ تھا کہ اگر کوئی مشکوک چیز پیٹ میں چلی جاتی تو قے کر کے اسے نکالتے تھے اور بہت سی حلال چیزوں کو محض شبہ کی وجہ سے استعمال نہ کرتے تھے، حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت عمر فاروق ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

كنا ندع تسعة اعشار الحلال مخافة ان نقع فى الحرام.

(احياء علوم الدين : ۲/۹۵)

''ہم حلال اشیاء کے دس حصوں میں سے نو حصے محض اس لیے چھوڑ دیتے تھے (استعمال نہیں کرتے ہیں) کہ کہیں حرام میں نہ جا پڑیں''۔

اسمِ اعظم : ''حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ کو اسم اعظم معلوم ہے، فرمائیے کون سا نام اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے؟ آپ نے جوب دیا کہ: ''معدہ کا لقمۂ حرام سے خالی رکھنا اور دل کو دنیا کی محبت سے خالی کرنا ہی اسم اعظم ہے اس کے بعد جس نام سے اللہ تعالیٰ کو پکاروگے وہی اسم اعظم ہوگا''۔ (احیاء علوم الدین ۲/۹۵)

﴿کمانے کے باطل، حرام اور ناجائز ذرائع کی تفصیل﴾

(۱) ربا اور سود	(۲) قمار اور جوا	(۳) رشوت
(۴) سرقہ اور چوری	(۵) ڈاکہ زنی	(۶) غصب
(۷) شرکتِ فاسدہ	(۸) مضاربتِ فاسدہ	(۹) بیوعِ فاسدہ وباطلہ
(۱۰) اجارۂ فاسدہ وباطلہ	(۱۱) ربح مالم یضمن	

﴿(۱) ربا اور سود﴾

ربا اور سود سے متعلق وعیدات :

سود کا معاملہ کرنا اور سود لینا اور کھانا وغیرہ، یہ سب امور ناجائز، حرام اور کبیرہ گناہ ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں سود خوروں کے لیے سخت ترین وعیدیں بیان کی گئی ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں۔

آیاتِ کریمہ :

(۱) الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُم قَالُوا إِنَّمَا الْبَيعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَن جَائَهُ مَوعِظَةٌ مِن رَبِّهِ فَانتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَن عَادَ فَأُولَئِكَ أَصحَابُ النَّارِ هُم فِيهَا خَالِدُونَ. [البقرة: ۲۷۵]

”جو لوگ سود کھاتے ہیں (یعنی لیتے ہیں) نہیں کھڑے ہوں گے (قیامت میں قبروں سے) مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان خبطی بنا دے (یعنی حیران مدہوش) یہ سزا اس لیے ہوگی کہ ان (سود خوار) لوگوں نے (سود کے حلال ہونے پر استدلال کرنے کے لیے) کہا تھا کہ بیع بھی تو مثلِ سود کے ہے (کیونکہ اس میں بھی مقصود نفع حاصل کرنا ہوتا ہے اور بیع یقیناً حلال ہے پھر سود بھی جو کہ اس کا مثل ہے حلال ہونا چاہیے) حالانکہ (دونوں میں کھلا فرق ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے (جو کہ مالک ہیں احکام کے) بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے (اس سے زیادہ اور کیا فرق ہوگا) پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے (اس بارے میں) نصیحت پہنچی اور وہ (اس سود کے فعل سے اور اس کفر کے قول سے یعنی حلال کہنے سے) باز آ گیا (یعنی حرام سمجھنے لگا اور لینا بھی چھوڑ دیا) تو جو کچھ (اس حکم کے آنے سے) پہلے لینا ہو چکا ہے وہ اسی کا ہو رہا (یعنی ظاہر شرع کے نزدیک اس کی یہ توبہ قبول ہوگئی

اور لیا ہوا مال اسی کی ملک ہے)اور(باطنی)معاملہ اس کا(کہ وہ دل سے باز آیا یا منافقانہ توبہ کرلی ہے یہ)خدا کے حوالے رہا،اور جو شخص پھر عود کرے تو یہ لوگ دوزخ میں جاویں گے۔(بیان القرآن ۱/۱۸۹)

(۲) يَمحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُربِى الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ .[البقرة: ٢٧٦]

''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں(یعنی کبھی تو دنیا ہی میں سب برباد ہوجاتا ہے ورنہ آخرت میں تو یقینی بربادی ہے کیونکہ وہاں اس پر عذاب ہوگا)اور(برخلاف اس کے صدقہ دینے میں گو فی الحال مال گھٹتا معلوم ہوتا ہے لیکن مآل کار اللہ تعالیٰ)صدقات کو بڑھاتے ہیں(کبھی تو دنیا میں بھی ورنہ آخرت میں تو یقیناً کیونکہ وہاں اس پر بہت ثواب ملے گا)اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے(بلکہ مبغوض رکھتے ہیں)کسی کفر کرنے والے کو(اور اسی طرح پسند نہیں کرتے)کسی گناہ کے کام کرنے والے کو(جو کہ فعل مذکور یعنی سود کے مثل کبائر کا مرتکب ہو)''۔(بیان القرآن ۲/۵۴۲)

(۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُؤمِنِينَ .فَإِن لَّمْ تَفعَلُوا فَأذَنُوا بِحَربٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُولِهِ .

[البقرة: ٢٧٨، ٢٧٩]

''اے ایمان والو!اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو(کیونکہ ایمان کا مقتضا اطاعت کرنا ہے)پھر اگر تم(اس پر عمل)نہ کرو گے تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے(یعنی تم پر جہاد ہوگا)''۔

(بیان القرآن ۱/۱۹۱)

(۴) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا تَأكُلُوا الرِّبَا أَضعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُم تُفلِحُونَ.[آل عمران: ١٣٠]

''ایمان والو! سود مت کھاؤ (یعنی مت لو اصل سے) کئی حصے زائد (کرکے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو امید ہے کہ تم کامیاب ہو (یعنی جنت نصیب ہو اور دوزخ سے نجات ہو)''۔

(بیان القرآن ۱/۲۷۴)

(۵) وَمَا آتَيتُم مِن رِبًا لِيَربُوَ فِي أَموَالِ النَّاسِ فَلا يَربُو عِندَ اللَّهِ وَمَا آتَيتُم مِن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجهَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ المُضعِفُونَ.

[الروم: ۳۹]

''اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ وہ لوگوں کے مالوں میں پہنچ کر زیادہ ہو جاوے (جیسا نیوتہ وغیرہ رسومِ دنیویہ میں اکثر اسی غرض سے دیا جاتا ہے کہ یہ شخص ہمارے موقع پر کچھ اور شامل کرکے دے گا) تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا (کیونکہ خدا کے نزدیک پہنچنا اور بڑھنا اس مال کے ساتھ خاص ہے جو اللہ کی خوشنودی کے لیے خرچ کیا جاوے) اور جو زکوۃ (وغیرہ) دو گے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہوگے تو ایسے لوگ (اپنے دیے ہوئے کو) خدا تعالیٰ کے پاس بڑھاتے رہیں گے''۔ (بیان القرآن ۳/۱۳۳)

احادیث مبارکہ :

(۱) سود مہلک (ہلاکت میں ڈالنے والے) گناہوں میں سے ہے۔

عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال :اجتنبوا السبع الموبقات، قالوا : يا رسول الله! وما هن؟ قال : الشرك بالله والسحر و قتل النفس التي حرم الله الا بالحق و اكل الربوا واكل مال اليتيم والتولي يوم الزحف و قذف المؤمنات الغافلات. متفق عليه .(المشكوة:۱۷)

حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا : سات ہلاک کر دینے والے گناہوں سے بچو!

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا : یارسول اللہ ﷺ وہ کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : اللہ کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا، جادو کرنا، اس جان کو ناحق قتل کرنا جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے مگر جائز طور پر (بحکم شریعت)، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے گھمسان کی جنگ میں پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور پاک دامن ایمان والی بے خبر عورتوں پر تہمت لگانا۔

(۲) سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور اس پر گواہ بننے والے سب ملعون ہیں۔

عن جابر قال: لعن رسول الله ﷺ اكل الربا و موكله و كاتبه و شاهديه و قال :هم سواء (مسلم ۲/۲۷، ط:قديمى)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے، سود کی تحریر لکھنے والے اور سود پر گواہ بننے والوں پر لعنت بھیجی نیز فرمایا کہ یہ سب (اصل گناہ میں) برابر کے شریک ہیں اگر چہ مقدار کے اعتبار سے مختلف ہوں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لازم قرار دیا ہے کہ وہ سود خوروں کو جنت میں داخل نہ کرے۔

عن أبى هريرة قال : قال رسول الله ﷺ : أربعة حق على الله أن لا يدخلهم الجنة ، ولا يذيقهم نعيمها : مدمن الخمر ، وآكل الربا، وآكل مال اليتيم بغير حق ، والعاق لوالديه وقال هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه.

(المستدرک للحاکم ۲/۳۳۸، ط:دار المعرفة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، چار شخصوں سے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنا ذمہ لیا ہے کہ انھیں جنت میں داخل نہ کریں گے اور نہ اس کی نعمتیں چکھائیں گے:

۱ ۔شراب کا عادی
۲ ۔سود خور
۳ ۔ناحق یتیم کا مال اڑانے والا
۴ ۔والدین کا نافرمان

(۴) سود میں ادنیٰ ترین گناہ جیسے کوئی اپنی سگی ماں سے بدکاری کرے۔

عن عبدالله عن النبی ﷺ قال : الربا ثلاثة وسبعون بابا ، أيسرها مثل أن ينكح الرجل أمه ، وان أربى الربا عرض الرجل المسلم.(المستدرک للحاکم ۳۳۸/۲،ط:دار المعرفة)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :سود کے گناہ کے تہتر درجے ہیں ان میں سے جو ادنی درجہ ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنی ماں سے بدکاری کرے،اور بدترین سود کسی مسلمان کی آبروریزی ہے۔

(۵) سود کا ایک درہم چھتیس زنا سے بدتر ہے۔

عن عبدالله بن حنظلة غسيل الملائكة قال : قال رسول الله ﷺ: درهم الربا يأكله الرجل و هو يعلم ، أشد من ستة و ثلاثين زنية.(مسند الامام أحمد ۲۹۶/۶،ط:دار احياء التراث العربی)

ابن حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :سود کا ایک درہم جسے کوئی جانتے ہوئے استعمال کرے چھتیس زنا سے بدتر ہے۔

وعن عبد الله بن سلام عن رسول الله ﷺ قال:الدرهم يصيبه الرجل من الربا أعظم عند الله من ثلاث وثلاثين زنية يزنيها فی الإسلام.رواه الطبرانی فی الكبير.

(مجمع الزوائد ،۲۱۱/۴،ط:دارالفکر بيروت)

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ایک درہم کوئی سود سے حاصل کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمان کے تینتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی بڑا جرم ہے۔

(۶) سود کی ترویج اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔

عن ابن مسعود، عن النبی ﷺ فذكر حديثا و قال فيه : ما ظهر

فی قوم الزنا و الربا الا أحلوا بأنفسهم عقاب الله.

(مجمع الزوائد۴/۲۱۳،ط:دار الفکر،بیروت)

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں : نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا : جس قوم میں زنا اور سود کا ظہور ہوا اس قوم نے یقیناً اللہ تعالیٰ کا عذاب اپنی جانوں پر اتارلیا۔

(۷) سود کی وجہ سے قحط سالی مسلط کردی جاتی ہے۔

عن عمرو بن العاص قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ما من قوم يظهر فيهم الربا إلا أخذوا بالسنة وما من قوم يظهر فيهم الرشا إلا أخذوا بالرعب .(مسند احمد،۵/۲۳۳،ط:دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس قوم میں سود پھیل جائے وہی یقیناً قحط سالی میں مبتلا ہوجاتی ہے اور جس قوم میں رشوت پھیل جائے وہ مرعوبیت میں گرفتار ہوجاتی ہے۔

ربا اور سود کی اقسام :

اس کی دو قسمیں ہیں :

(۱) ''ربا النسیئہ''،جس کو''ربا القرآن''اور''ربا الجاھلیۃ'' بھی کہا جاتا ہے۔

(۲) ''ربا الفضل''،جس کو''ربا النقد ،ربا البیع اور ربا الحدیث'' بھی کہا جاتا ہے۔

﴿ربا النسیئہ کی تفصیل﴾

ربا النسیئہ کی تعریف : حدیث میں اس کی تعریف یہ ہے:

"كل قرض جر منفعة فهو ربا".(کنز العمال ۶/۲۳۸،ط:ادارۃ تالیفات)

جو قرض نفع لے کر آئے وہ ربا ہے۔

علامہ عزیزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے ''حسن لغیرہ'' قرار دیا ہے۔

(جواہر الفقہ ۴/۵۳۵بحوالہ السراج المنیر)

مشہور صحابی حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے بھی اس سے ملتی جلتی تعریف منقول ہے، وہ یہ ہے:

"کل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا".

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۵/۳۵۰، ط: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ)

یعنی ہر ایسا قرض جو نفع کھینچے وہ ربا کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے۔

امام ابوبکر جصاص رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ تعریف ذکر کی ہے:

هو القرض المشروط فيه الاجل وزيادة مال على المستقرض" (احكام القرآن للجصاص ۱/۱۴۶، ط: قديمى)

یعنی قرض کا وہ معاملہ جس میں ایک مخصوص مدتِ ادائیگی اور مقروض پر مال کی کوئی زیادتی معین کر لی گئی ہو۔

حاصل ان جملہ تعریفات کا یہ ہے کہ ہر وہ قرض جو کسی بھی صورت وشکل میں نفع مشروط لفظاً یا عرفاً کھینچ کر لائے وہ ربا اور سود ہے جس کی حرمت آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے۔

ربا النسیئة میں نفع کی صورتیں:

ربا النسیئۃ میں نفع کبھی عین کی صورت میں حاصل ہوتا ہے اور کبھی عرض کی صورت میں، پھر عین میں کبھی نقد روپیہ اور کرنسی ملتی ہے اور کبھی دوسری اشیاء، اسی طرح عرض میں بھی کبھی بیع کا نفع حاصل ہوتا ہے، کبھی استیجار کا، کبھی اعارۃ اور ہدیہ کا۔ تفصیل ذیل میں ہے:

(۱) قرض کی وجہ سے نقد کرنسی کی صورت میں نفع اور زیادتی وصول کرے، مثلاً دس ہزار قرض پر فی ماہ ایک ہزار زیادہ لیا جائے۔

(۲) قرض کی وجہ سے سامان کی صورت میں زیادتی لی جائے، جیسے دس ہزار قرض پر ہر ماہ پانچ کلو گوشت لیا جائے۔

(۳) قرض کی وجہ سے ہدیہ کے نام پر زیادتی لی جائے، جیسے کسی نے قرض کے دباؤ سے

ہدیہ کے نام پر مٹھائی، پھل اور جانوروں کے لیے چارہ مثلاً گھاس، بھوسہ دینا، اگر نہ دے تو ناراضگی کا شدید اندیشہ ہے اور آئندہ بھی کبھی قرض نہ دینے کا شدید امکان ہے۔

عن أبی بردة بن أبی موسی فقال قدمت المدينة فلقيت عبد الله ابن سلام فقال : انک بأرض فيها الربوا فاش فاذا كان لک علی رجل حق فأهدی اليک حمل تبن أو حمل شعير أو حبل قت فلا تأخذه فانه ربوا، رواه البخاری .

(باب الربا، المشكوة ١/٢٤٦ ،ط:قديمی)

''حضرت ابو بردہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ میں آیا اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ملا تو انہوں نے فرمایا کہ تم ایک ایسی سرزمین میں رہتے ہو جہاں سود کا بہت رواج ہے، لہٰذا اگر کسی پر تمہارا حق ہو یعنی کوئی تمہارا قرضدار ہو اور وہ تمہیں بھوسے کا ایک گھٹڑا، یا جو کی ایک گٹھڑی، یا گھاس کا ایک گٹھا بھی تحفے کے طور پر دے تو تم اسے قبول نہ کرنا کیونکہ وہ سود کا حکم رکھتا ہے''۔

و عن أنس رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ : اذا أقرض الرجل الرجل فلا يأخذ هدية ، رواه البخاری فی تاريخه.

(باب الربا، المشكوة ١/٢٤٦ ،ط:قديمی)

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی کو قرض دے تو وہ اپنے قرضدار سے بطور تحفہ بھی کوئی چیز قبول نہ کرے۔''

(۴) قرض کی وجہ سے عاریت کی صورت میں نفع اور زیادتی لی جائے۔

و عن أنس رضی اللہ عنہ قال : قال رسول الله ﷺ : اذا أقرض أحدكم قرضا فأهدی اليه أو حمله علی الدابة فلا يركبه و لا يقبلها الا أن يكون جری بينه و بينه قبل ذلک ، رواه ابن ماجه و البيهقی فی

شعب الایمان .(باب الربا، المشکوۃ ۲۴۶/۱ ،ط:قدیمی)

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص کسی کو قرض دے اور پھر قرض لینے والا اس قرض دینے والے کے پاس کوئی تحفہ بھیجے یا سواری کے لیے کوئی جانور دے تو وہ قرض دینے والا نہ اس جانور پر سوار ہو اور نہ اس کا تحفہ قبول کرے، ہاں اگر قرض دینے والے اور قرض لینے والے دونوں کے درمیان پہلے سے تحفہ یا سواری کے جانور کا لینا دینا جاری ہو تو پھر اس کو قبول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔''

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ تو مقروض کی دیوار کے سایہ سے نفع حاصل کرنے سے بھی احتراز فرماتے تھے۔

مرقاۃ میں حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

و لقد بالغ امام المتورعين فی زمنه أبو حنيفة رحمه الله تعالیٰ حيث جاء الی دار مدينه ليتقاضاه دينه، و كان وقت شدة الحر، و لجدار تلک الدار ظل، فوقف فی الشمس الی أن خرج المديون بعد أن طال الابطاء فی الخروج اليه، و هو واقف فی الشمس صابر علی حرها غير مرتفق بذلک الظل، لئلا يكون له رفق من جهة مديونه، و فيه أن مذهب ذلک الامام أن قبول رفق المديون حرام كالربا.(باب الربا، الفصل الثالث، المرقاة ٦٨/٦)

امام المتقین والمجتہدین ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بہت احتیاط کرتے تھے، اپنے زمانے میں ایک بار وہ اپنے قرض دار کے گھر قرض وصول کرنے کے لیے آئے، سخت گرمی کا زمانہ تھا، اس شخص کے گھر کی دیوار کا سایہ تھا لیکن امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ دھوپ میں ہی کھڑے رہے جب تک کہ وہ قرض دار گھر سے واپس نہ آیا، حالانکہ اس کے باہر آنے میں بہت دیر بھی لگی اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ دھوپ ہی میں کھڑے گرمی برداشت کرتے رہے لیکن اس سایہ

سے نفع نہیں اٹھایا کہ کہیں قرض دار کی جانب سے نفع کی کوئی صورت نہ بن جائے، اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ امام صاحب کے مذہب کے مطابق قرض دار سے نفع قبول کرنا بھی سود ہی کی طرح حرام ہے۔

ایک شخص نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے ایک شخص سے پانچ سو درہم اس شرط پر قرض لیے ہیں کہ اسے اپنا گھوڑا سواری کے لیے دوں گا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جتنی سواری وہ کرے گا وہ سود ہوگی۔

عن ابن سيرين عن عبد الله يعني ابن مسعود أنه سئل عن رجل استقرض من رجل دراهم ثم إن المستقرض أفقر المقرض ظهر دابته فقال عبد الله : ما أصاب من ظهر دابته فهو ربا قال أبو عبيد : يذهب إلى أنه قرض جر منفعة. .... وقد روينا عن ابن عون عن ابن سيرين : أن رجلا أقرض رجلا دراهم وشرط عليه ظهر فرسه فذكر ذلک لابن مسعود فقال : ما أصاب من ظهره فهو ربا.(السنن الكبرى للبيهقي،باب كل قرض جر منفعة فهو ربا)

(۵) قرض کی وجہ سے استیجار اور بیع کی صورت میں نفع اور زیادتی حاصل کرے، جیسے کہ احسن الفتاویٰ میں ایک سوال اور اس کے جواب میں مذکور ہے :

سوال: ایک شخص ٹرک کے ڈرائیور اور مالک سے جو ملک کے مختلف حصوں سے کراچی مال لاتا ہے بلٹی لیتا ہے مگر اس طریقے سے کہ جو بلٹی مثلاً دو ہزار روپے کی ہے یہ شخص اس مالک اور ڈرائیور کو بیس روپے کم دو ہزار روپے دیتا ہے، کیا یہ طریقہ جائز ہے اور ناجائز ہے تو اس کے جواز کی بھی کوئی صورت ممکن ہے؟ کہ دونوں یہ کاروبار کریں اور ٹرک والے کا وقت بھی ضائع نہ ہو؟ بینوا وتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ معاملہ دو وجہ سے ناجائز اور حرام ہے ایک یہ کہ یہ ''بیع من غیر من علیہ الدین'' ہے جو کہ

ناجائز ہے۔دوسری یہ کہ رقم میں کمی بیشی سود ہے جو کہ حرام ہے۔صحیح صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ٹرک کا مالک کرایہ کی رقم وصول کرنے کے لیے کسی کو وکیل بنادے اور اس کو وصول کرنے کی اجرت کے طور پر بیس روپے دیدے پھر اس سے بلٹی کی رقم کے برابر قرض لے کر اس سے یہ کہہ دے کہ میرا قرض وصول کر کے اس قرض کے عوض جو میں نے لیا ہے خود رکھ لے۔مگر اس صورت میں اگر وکیل کو قرض وصول نہ ہوا تو وہ مؤکل سے قرض کا مطالبہ کرسکے گا۔اس صورت کی صحت کے لیے یہ شرط ہے کہ توکیل کے لیے اقراض کو شرط نہ ٹھہرایا جائے،اگر قرض لیے بغیر ٹرک کا ڈرائیور کسی کو وکیل نہیں بناتا تو یہ اس لیے ناجائز ہے کہ وکیل قرض سے استیجار کا نفع حاصل کررہا ہے،جو کہ سود ہے۔

اس لیے صحیح صورت صرف یہ ہے کہ ٹرک کا مالک فی الحال رقم نہ لے بلکہ کسی کو وصول کرنے کے لیے اجرت پر وکیل بنادے اور وہ رقم وصول کر کے مالک کو پہنچادے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔(احسن الفتاویٰ ۷/ ۱۷۵، ط: ایچ ایم سعید)

«''ربا النسیئہ'' پر چند اعتراضات مع جوابات»

اعتراض نمبر ۱: بعض لوگوں نے یہاں یہ اعتراض کیا ہے کہ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ نے جس سود کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے وہ تو وہ سود ہے جو زمانۂ جاہلیت میں نجی معاملات (ذاتی اخراجات) کے لیے لیا جاتا تھا پھر بروقت ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں اسے سود ادا کرنا پڑتا۔رہا تجارتی اغراض کے لیے لیا جانے والا سودی قرض،تو چونکہ یہ سود زمانۂ جاہلیت میں نہیں تھا اس لیے اس پر سود کا حکم نہیں لگے گا۔

جواب نمبر ۱: قرآن کریم میں ''**احل الله البيع وحرم الربوا**'' میں بیع کی حلت اور سود کی حرمت کا حکم مطلق بیان کیا گیا ہے،اس میں تجارتی اور نجی معاملات کی کوئی قید نہیں۔لہٰذا ''نجی معاملات'' کی قید ایجادِ بندہ ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

جواب نمبر ۲: ''**كل قرض جر منفعة فهو ربا**'' حدیث بھی بدوں کسی

تفریق ہر قسم کے قرض کو شامل ہے چاہے تجارتی ہو یا نجی۔

جواب نمبر ۳: یہ بات ہی غلط ہے کہ زمانہ جاہلیت میں محض نجی معاملات کے لیے قرض لیا جاتا تھا بلکہ کئی ایک واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض قبائل میں تجارتی اغراض کے لیے بھی قرضوں کا لین دین ہوتا تھا جس کی تفصیل مختلف کتب میں موجود ہے، ایک دو واقعات یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

(۱) امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے کہ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے سات ہزار درہم قرض لیے تھے، اور ظاہر ہے کہ اتنا زیادہ قرض کسی وقتی ضرورت یا فقر و فاقہ کی غرض سے نہیں لیا گیا تھا بلکہ تجارتی ضرورت کے پیشِ نظر ہی لیا گیا ہوگا۔ اس بات کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ مالدار صحابی تھے، نادار یا غرباء میں سے نہ تھے اور غزوہ بدر کے موقع پر یہ واحد صحابی تھے جو اپنے گھوڑے پر سوار تھے۔

عن داود عن الشعبي : أن المقداد استقرض من عثمان بن عفان رضي الله عنه سبعة آلاف درهم.

(السنن الكبرى للبيهقي ۱۰/۱۸۴، ط: اداره تاليفات اشرفيه)

(۲) عرب کے دو قبیلوں "بنو عمرو بن عامر اور بنو مغیرہ" کے درمیان بھی سودی قرضوں کا لین دین ہوتا تھا اور ظاہر ہے کہ اتنی بڑی بنیادوں پر قبیلوں کے مابین سودی قرضوں کا لین دین تجارتی بنیادوں پر ہی ہوسکتا ہے نہ کہ محض نجی ضروریات کی وجہ سے۔

وكانت بنو عمرو بن عوف يأخذون الربا من بني المغيرة وكانت بنو المغيرة يربون لهم في الجاهلية فجاء الإسلام ولهم عليهم مال كثير فأتاهم بنو عمرو يطلبون رباهم فأبى بنو المغيرة أن يعطوهم في الإسلام ورفعوا ذلك إلى عتاب بن أسيد فكتب

عتاب إلى رسول الله ﷺ فنزلت ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربا...... إلى قوله...... ولا تظلمون﴾ فكتب بها رسول الله ﷺ إلى عتاب وقال : إن رضوا وإلا فآذنهم بحرب.(الدر المنثور ۱۰۶/۲،ط:دار احياء التراث العربي بيروت)

جواب نمبر ٤: اگر یہ رائے تسلیم بھی کر لی جائے کہ زمانۂ جاہلیت میں تجارتی قرضوں کا رواج نہیں تھا تو بھی یہ رائے فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اس اصول کہ ''**العبرة لعموم اللفظ لالخصوص المورد**'' کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہرگز قابلِ التفات نہیں اور اگر قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کے اس اصول اور اطلاق پر عمل نہ کیا جائے تو دین ایک کھلونا اور بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا جیسا کہ آج کل شراب اور جوئے کی ایسی ایسی صورتیں مروج ہیں جن کا زمانۂ جاہلیت میں کوئی وجود نہیں تھا۔

جواب نمبر ٥: حکم کا مدار حکمت پر نہیں بلکہ علت اور معاملے کی ظاہری صورت پر ہوتا ہے، پس ربوا کی تعریف جس معاملے پر صادق آئے وہ ربا ہی کہلائے گا خواہ وہ کسی بھی قسم کا سود ہو تجارتی ہو یا نجی۔

یہی وجہ ہے کہ جب آپ علیہ السلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ عمدہ کھجوروں کو ردی کے بدلے میں کمی زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا چاہتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو بلکہ ایک جانب کی کھجور کو قیمۃً خرید لو اور پھر اس قیمت سے دوسری جانب کی کھجور خرید و تا کہ ربا سے بچا جا سکے۔

اعتراض نمبر ۲: سود کی حرمت کی وجہ دراصل یہ ہے کہ اس میں قرضہ لینے والا قرض در قرض کے بوجھ تلے دبتا چلا جاتا ہے اور جتنا قرضہ اس نے لیا تھا اس سے کہیں زیادہ اسے ادائیگی کرنی پڑتی ہے جبکہ سودی قرضہ دینے والا بیٹھے بٹھائے فائدہ ہی فائدہ بصورتِ سود وصول کرتا ہے، لیکن تجارتی سود میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ تجارتی سود کی صورت میں جو پیسہ

لینے والا ہوتا ہے وہ بھی اس پیسے سے نفع کماتا ہے اور جس کی اصل رقم ہوتی ہے وہ بھی نفع حاصل کرتا ہے، لہٰذا دونوں جانب فائدہ ہی فائدہ ہے کسی پر کوئی ظلم نہیں تو حرمت کی کوئی وجہ بھی نہیں۔

جواب نمبر ۱: یہ دلیل اپنے ظاہر کے اعتبار سے بڑی خوشنما ہے خصوصاً جدید روشن خیال طبقہ کے ہاں، لیکن اگر بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو بالکل بے وزن بات ہے، اس لیے کہ نجی سود کی حرمت کی وجہ صرف اس بات ہی میں منحصر نہیں کہ اس میں ایک فریق کا نقصان ہی نقصان اور دوسرے کا محض نفع ہی نفع ہے، بلکہ یہ بات تو اس کی منجملہ وجوہ اور حکمتوں کے ایک حکمت اور وجہ تھی، گویا کہ محض نفع کے ہونے اور نقصان کے نہ ہونے کی وجہ سے تجارتی سود کو حلال نہیں کہا جا سکتا جبکہ حرمت کی دوسری وجوہ اس میں موجود ہیں۔ بالفاظِ دیگر احکام کا مدار حکمتوں پر نہیں بلکہ علتوں پر ہوتا ہے جہاں علت ہوگی وہاں حکم لگے گا چاہے حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

جواب نمبر ۲: اگر کسی معاملے میں ایک فریق کا نقصان اور ایک کا نفع یقینی ہو تو جیسے یہ صورت ناجائز ہے اسی طرح یہ صورت بھی ناجائز ہے کہ ایک کا فائدہ یقینی ہو اور دوسرے کا فائدہ احتمالی یعنی غیر یقینی، جیسے مخابرہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ مخابرہ کا حکم سمجھنے سے قبل اس کی صورت کا بیان ضروری ہے:

مخابرہ کھیتی باڑی سے متعلق ایک مخصوص معاملہ ہے جس میں مالکِ زمین کاشتکار کو اپنی زمین دے کر مخصوص پیداوار کی اپنے لیے شرط لگا دے، مثلاً یوں کہہ دے کہ زمین میں کاشتکاری کرو اور ہر فصل میں سے پانچ یا دس من غلہ مجھے دینا ہوگا یا یہ کہہ دے کہ نہر کے آس پاس کی جو زمین ہے اس کی پیداوار مجھے دینی ہوگی۔

اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اس کو بھی آپ ﷺ نے سود فرمایا اور فرمایا ہے کہ:

من لم یترک المخابرۃ فلیؤذن بحرب من اللہ ورسولہ.

(الدر المنثور ۱۰۴/۲، ط: دار احیاء التراث العربی، ابوداؤد ۴۸۳/۲، ط: میر محمد)

کہ جو شخص مخابرہ نہ چھوڑے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے اعلانِ جنگ سن لے۔

اب اس معاملہ میں ایک جانب نفع یقینی ہے کہ جو مالکِ زمین ہے وہ اپنا حصہ مقرر کردہ مقدار کی صورت میں وصول کرے گا جبکہ کاشتکار کا نفع غیر یقینی ہے اس طور پر کہ شاید زمین میں پیداوار ہی اتنی ہو جو ساری کی ساری مالک کے مقررہ حصے کے بقدر ہو یا ہوسکتا ہے کہ اس سے بھی کم ہو یا اس سے بھی زیادہ ہو، تو ایک جانب نفع کے یقینی ہونے اور دوسری جانب نفع کے احتمال کی بنیاد پر اسے سودی معاملہ کہا گیا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے اعلانِ جنگ کے مترادف قرار دیا، اسی طریقے سے یہاں تجارتی سود میں بھی ایک جانب نفع یقینی اور دوسری جانب نفع غیر یقینی اور احتمالی ہوتا ہے، کیونکہ تجارت کرنے والا ہوسکتا ہے کہ نقصان ہی کرے یا کچھ نہ کمائے یا اتنا کمائے جو کہ سود پر دے دے اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس سے زیادہ کمائے لیکن یہ بھی یقینی نہیں، لہٰذا یہ بھی نجی سود کی مانند ناجائز اور حرام ہے۔

اعتراض نمبر ۳: قرآنِ کریم میں اللہ رب العزت نے فرمایا ہے:

یاایھا الذین آمنوا لاتأکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم.[النساء: ۲۹]

''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناحق (یعنی غیر مباح) طور پر مت کھاؤ لیکن (مباح طور پر ہو مثلاً) کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے واقع ہو (بشرطیکہ اس میں اور بھی شرائط شرعیہ ہوں) تو مضائقہ نہیں''۔ (بیان القرآن ۱/۳۴۴)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ دوسرے کے اموال کو ناحق کھانے کی وہ تمام صورتیں ناجائز اور اکل بالباطل میں داخل ہیں جن میں باہمی رضامندی نہ ہو لیکن اگر کوئی معاملہ فریقین باہمی خوش دلی و رضامندی سے کریں تو وہ بدیہی طور پر اکل بالباطل میں داخل نہ ہو کر جائز ہوگا، لہٰذا تجارتی سود کا وہ معاملہ جس پر فریقین راضی و خوش ہوں اور باہمی رضامندی سے معاملہ کریں وہ معاملہ کیونکر حرام ہوگا؟ اور واقعہ یہ ہے کہ تجارتی سودی معاملات میں لینے

والا مجبور و مظلوم نہیں ہوتا اور نہ ہی مقرض کے نفع سے وہ ناخوش ہوتا ہے، لہٰذا جور با اور سود حرام ہے وہ وہی ہے جس میں باہمی رضامندی مفقود ہو۔

جواب: باہمی رضامندی کسی حرام چیز کو حلال کرنے میں ہرگز مؤثر نہیں، اگر مؤثر ہوتی تو تمام وہ محرمات جن کا ارتکاب باہمی رضامندی سے کیا جاتا ہے، جائز کہلانے لگیں گے۔

مثلاً اگر کوئی باہمی رضامندی سے زنا کرے، شراب پی لے، جوا کھیلے، رشوت کا لین دین بنام ہدیہ کرے تو کیا یہ محرمات جائز ہو جائیں گے؟ ہرگز نہیں، بلکہ حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تو اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ سود مطلقاً حرام ہے خواہ رضامندی سے ہو یا مجبوری سے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قربانی کے باب میں فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ گوشت کو وزن کے اعتبار سے تقسیم کرنا ضروری ہے گو کہ تمام شرکاء اندازے سے تقسیم پر راضی ہوں، کیونکہ اندازے کی صورت میں لامحالہ کمی زیادتی ہوگی جو کہ سود ہے اور سود رضامندی سے بھی حلال نہیں ہوتا۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ تحت قوله "لاجزافا":

واما عدم جواز التحليل فلأن الربا لايحتمل الحل بالتحليل.

(الشامیه ۵۲۷/۹، ط: رشیدیه)

تنبیہ نمبر ۱: ''ربا النسیئۃ'' میں زیادتی سود اس وقت ہے جب یہ (صراحۃً یا عرفاً) مشروط ہو جیسا کہ تعریف میں گزرا، البتہ اگر زیادتی مشروط نہ ہو بلکہ حسنِ ادائیگی کی بنیاد پر بڑھا کر دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ تو امرِ مطلوب ہے جس کی فضیلت بھی وارد ہوئی ہے۔

قال ابن عمر ﷺ فی القرضة الی اجل : لابأس به وان اعطی افضل من دراهمه مالم یشترط.

(صحیح البخاری ۳۲۳/۱، ط: قدیمی)

معین مدت کے لیے قرض دینے میں کوئی حرج نہیں خواہ قرضدار اس کے دراہم سے بہتر ادا کرے بشرطیکہ (یہ بہتر دراہم ادا کرنا) قرض کے معاہدے میں طے نہ کیا گیا ہو۔

﴿دورِ حاضر میں ربا النسیئہ کی مروج صورتیں﴾

حدیث "کل قرض جر منفعة فهو ربا" (کنز العمال ۲۳۸/۶، ط: ادارہ تالیفات اشرفیہ) "ہر وہ قرض جو اپنے ساتھ مزید رقم یا نفع کھینچ لائے، سود ہے" اور حدیث "لا تبیعوا الدینار بالدینارین ولا الدرهم بالدرهمین ولا الصاع بالصاعین" (مسند احمد ۲۵۳/۲ رقم الحدیث: ۵۸۸۵، ط: دار احیاء التراث العربی، بیروت) و مثله فی صحیح البخاری ۲۷۴/۱، ط: قدیمی "ایک دینار کو دو دینار کے بدلے، ایک درہم کو دو درہم کے بدلے اور ایک صاع کو دو صاع کے بدلے نہ بیچو" (کیونکہ یہ سود ہے) کے کلیہ کے پیشِ نظر درج ذیل صورتیں سود میں داخل اور حرام ہیں:

(۱) سودی بینک، ڈاک خانہ (پوسٹ آفس)، اور قومی بچت اسکیم وغیرہ اداروں سے ماہانہ بچت کے نام پر ملنے والی رقم سود ہے۔

(۲) بینک وغیرہ سے نقد سودی قرض لینا۔ مثلاً ایک لاکھ روپے دو ماہ کے لیے اس شرط پر لیے کہ واپس ایک لاکھ پانچ ہزار دوں گا، یہ پانچ ہزار سود ہے جس کا لینا دینا دونوں حرام ہیں۔

(۳) پگڑی کا لین دین۔ مثلاً ایک شخص نے مکان بیس لاکھ پگڑی دے کر لیا اور ماہانہ مالکِ مکان کو پانچ سو روپے بطورِ کرایہ دیتا رہا جب کہ پگڑی نہ دینے کی صورت میں اس جیسے مکان کا کرایہ =/۱۰،۰۰۰ روپے ہوتا ہے، اس بیس لاکھ پگڑی کی وجہ سے مکان کے کرایہ میں =/۹،۵۰۰ روپے کی جو کمی واقع ہوئی، یہ سود ہے کیونکہ پگڑی کی رقم مالکِ مکان کے ذمے شرعاً قرض ہے، اُس قرض نے یہ نفع کھینچ کر اس کو دلایا ہے۔

(۴) مکان و دکان کے لیے اتنا ایڈوانس مقرر کرنا جس کی وجہ سے کرایہ کی رقم میں کمی ہو

جائے یا یہ ایڈوانس اجارہ کے لیے شرط بن جائے۔مثلاً ایک دکان یا مکان کا کرایہ =/۵۰۰۰ روپے ہے اگر اس کو پانچ لاکھ ایڈوانس دیا جائے تو کرایہ =/۱۰۰۰ روپے ہو جائے گا، ایسے ایڈوانس کے ذریعے جو کرایہ میں کمی ہوئی ہے یہ بھی سود ہے، یا ایڈوانس کی وجہ سے کرایہ میں تو کمی نہیں ہوئی البتہ یہ شرط لگائی کہ پانچ لاکھ ایڈوانس دو گے تو دکان کرایہ پر دوں گا ورنہ نہیں۔

(۵) ایڈوانس کی رقم مچھلی پکڑنے والوں کو اس شرط پر قرض دینا کہ مچھلی ہمارے ہاں ہی لاکر بیچنی ہوگی تاکہ کمیشن کا فائدہ ہمیں حاصل ہو۔

(۶) سبزی اور پھلوں کے باغات والوں کو اس شرط پر قرض دینا کہ سبزی اور پھل ہمارے ہاں ہی لاکر فروخت کرنے ہوں گے تاکہ کمیشن کا فائدہ ہمیں حاصل ہو۔

(۷) بھینسوں کے مالکان کو قرض دے کر پابند بنانا کہ دودھ ہم کو پورا سال اس خاص قیمت پر بیچنا ضروری ہے اگرچہ اس کے بعد سال گزرنے سے پہلے قیمت بڑھ بھی جائے تو بھی اسی طے شدہ قیمت پر دینا پڑے گا، اس کو دودھ والوں کی اصطلاح میں ''بندھی'' کہتے ہیں، اس میں سود کے علاوہ اور بھی کئی ناجائز امور ہیں، مثلاً اگر کبھی دودھ کم دیا تو خریدار بازار سے خریدتا ہے اور جتنا پیسہ زیادہ خرچ ہوتا ہے وہ اس بھینسوں والے سے وصول کرتا ہے۔

(۸) کباڑی کا مزدور کو دو تین ہزار دے کر یہ شرط لگانا کہ کباڑ کو اسی خاص ریٹ پر ہمیں ہی بیچنا ہوگا، اس شرط کے بعد وہ مزدور کسی دوسری جگہ نہیں بیچ سکتا، اگرچہ دوسری جگہ زیادہ ریٹ اور قیمت ملتی ہو۔

(۹) بلٹی کا کاروبار کرنا۔عام طور پر اس کی تین صورتیں مروج ہیں:

(الف) کم قیمت پر بلٹی خریدنا، گویا خریدار نے پچاس ہزار روپے کی بلٹی پینتالیس یا سینتالیس ہزار روپے میں خریدی۔(یہ صورت ''ربا الفضل'' کی ہے اور اُسی جگہ مذکور ہے)

(ب) ہر دفعہ ٹرک والا پیسے والے (بروکر) کو بلٹی دے کر اجیر (ملازم) بناتا ہے کہ اس بلٹی کو دفتر سے ہمارے لیے وصول کرلو، آپ کو اتنا پیسہ دیا جائے گا۔لیکن اس اجارہ میں یہ شرط

ہوتی ہے کہ بروکر بلٹی کی رقم وقتی طور پر ٹرک ڈرائیور کو بطور قرض دے گا۔

(ج) پورے مہینے کا اجارہ کیا جاتا ہے کہ ہم آپ کو ہر مہینے مثلاً دس ہزار روپے بطورِ اجرت دیں گے اور آپ ہماری بلٹی کلیئر اور وصول کروائیں گے۔ لیکن اس صورت میں بھی یہ شرط ہوتی ہے کہ بوقتِ ضرورت بروکر بلٹی کی رقم وقتی طور پر ٹرک ڈرائیور کو بطور قرض دے گا۔

مذکورہ بالا آخری دوصورتوں میں اجیر (ملازم) بنانے کا حیلہ کارآمد نہیں کیونکہ یہ بروکر اگر رقم نہ دیں تو کبھی اجیر نہ بنائے جائیں گے، لہٰذا ظاہر ہے کہ یہ اجارہ قرض دینے کی شرط سے مشروط ہے اور قرض سے استیجار (ملازم بنانے) کا فائدہ حاصل کرنا بھی سود ہے۔

(۱۰) ہنڈی اور حوالے کے کاروبار میں سود کا عنصر۔ ہنڈی اور حوالہ کے کاروبار کرنے والوں نے یہ طریقہ ایجاد کیا ہے کہ اُن لوگوں کو جو اکثر رقوم حوالے کے ذریعے بھیجتے رہتے ہیں، کو اس شرط پر قرض دیتے رہتے ہیں کہ ہمیشہ کے لیے ہمارے ذریعے ہی سے رقم بھیجتے رہیں تا کہ کمیشن اور اجرت کا نفع ہمیں ہی حاصل ہو، یہ لوگ بھی اس قرض کے ذریعے استیجار کا نفع حاصل کرتے ہیں اس لیے یہ بھی سود اور حرام ہے نیز ہنڈی میں کئی دوسرے سودی معاملات بھی ہیں جن کی تفصیل ہمارے رسالہ ''کرنسی اور ہنڈی وحوالہ کے کاروبار کی شرعی حیثیت'' میں ہے۔

(۱۱) رہن (گروی) یعنی قرض کے عوض میں بطورِ سیکورٹی رکھی ہوئی چیز سے نفع حاصل کرنا۔ مثلاً زید نے بکر سے دس لاکھ روپے قرض مانگے، بکر نے کہا: ''میں اس شرط پر دوں گا کہ تم اپنا مکان میرے پاس بطورِ سیکورٹی گروی رکھو گے اور قرض واپس نہ کرنے تک، مکان سے نفع میں ہی حاصل کرتا رہوں گا''۔

(۱۲) بنامِ کاروبار قرض لے کر ماہانہ سود متعین رقم کی صورت میں یا متعین ہفتہ وار گوشت کی صورت میں بنامِ منافع دینا۔ مثلاً زید نے عمرو سے ایک لاکھ روپے کاروبار کے نام پر لے کر کہا کہ میں چونکہ اپنی دکان کا حساب نہیں کرسکتا ہوں لہٰذا آپ کو ہر مہینے اس لاکھ

پر دو ہزار نفع دیتا رہوں گا یا فی ہفتہ یا فی ماہ دو کلو گوشت دیتا رہوں گا، اور جب رقم کی ضرورت ہو تو اس وقت اپنی رقم لے سکتے ہو۔ اس میں اگرچہ نام کاروبار اور نفع کا استعمال ہوا ہے لیکن حقیقت میں یہ قرض اور سود کا معاملہ ہے جو کہ ناجائز اور حرام ہے۔ اسی طرح ایک شخص نے میڈیکل اسٹور والے کو رقم دی اور اس نے کہا کہ جب آپ کو رقم کی ضرورت ہو آپ رقم لے سکتے ہیں اور آپ کی رقم سے ہم مختلف بوتلیں خریدیں گے اور فی بوتل آپ کو مثلاً ۵/ روپے نفع دیا جائے گا، یہ نفع بھی سود ہے۔

(۱۳) انعامی بانڈ۔ مثلاً ایک شخص نے پچاس ہزار کے انعامی بانڈز خرید لیے اور جب کبھی اس کا نام نکلے گا تو اس کو انعام میں کثیر رقم ملے گی۔ اس صورت میں بھی اگرچہ نام خریداری اور انعام کا ہے لیکن حقیقت میں یہ قرض اور سود ہے کیونکہ پچاس ہزار روپیہ انعامی اسکیم چلانے والوں کے ذمے اس کا قرض ہے جو کہ اس شرط پر دیا گیا ہے کہ جب بھی قرعہ اندازی میں نام نکلے گا تو یہ پچاس ہزار کا قرض انعام کے نام پر بہت ساری رقم کھینچ لائے گا۔ لہٰذا یہ "کل قرض جر منفعة" کے اصول کے پیشِ نظر سود اور حرام ہے۔ نیز اس میں ایک قسم کا جوا بھی ہے۔

(۱۴) پلاٹ، موٹر سائیکل اور عمرہ و حج کی سودی اسکیمیں۔ مختلف کمپنیوں کی طرف سے ایک پیشکش ہوتی ہے کہ جو شخص ماہانہ مثلاً دو ہزار روپے ان کے پاس جمع کروائے گا تو مہینے کے آخر میں قرعہ اندازی میں اس کا نام شامل کیا جائے گا اور قرعہ نکلنے پر اسے حج یا عمرہ کی مطلوبہ رقم فراہم کی جائے گی پھر جو زائد رقم کمپنی نے عمرہ یا حج کے لیے دی تھی وہ قسطوں میں وصول کرتی رہے گی، تو یہاں بھی جو دو ہزار روپے یہ شخص ماہانہ دیتا رہا یہ قرض ہے جس کی وجہ سے اسے مزید رقم دے کر حج یا عمرے پر بھیجا گیا، لہٰذا قرض کی وجہ سے اسے یہ نفع حاصل ہو رہا ہے جو کہ سود ہے۔ کیونکہ "النقد خیر من النسیئة" (نقد ادھار سے بہتر ہے) بھی ایک قاعدہ اور کلیہ ہے۔

(۱۵) قرض کی وجہ سے دکاندار سے اشیاء سستے داموں خریدنا۔مثلاً زید نے بکر کو ایک لاکھ روپے اس شرط پر قرض دیے کہ میں آپ کی دکان سے جو سامان وغیرہ خریدوں گا وہ سستا بیچنا ہوگا۔

(۱۶) قرض کی وجہ سے خریداری پر مجبور کرنا۔مثلاً بعض ہوٹل والوں نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ آس پاس کی کمپنی یا کارخانے والوں کو اس شرط پر کچھ رقم بطورِ قرض دے دیتے ہیں کہ آپ کے کارخانے کے ملازمین یا مزدور کھانا ہمارے ہاں سے لیں گے یا کھائیں گے۔اسی طرح بعض اسکولوں، یونیورسٹیوں میں بھی ہوتا ہے کہ کوئی دکاندار کوئی خاص چیز مثلاً خاص کولڈ ڈرنک چلانے کی بنیاد پر ادارے کو رقم دیتا ہے پھر اس کولڈ ڈرنک کے علاوہ کوئی دوسری کولڈ ڈرنک نہیں چلا سکتا اور یہ مہنگا یا ناقص چلائے بہر حال یہی چلے گا۔یہ رشوت بھی ہے اور چونکہ رشوت قرض ہوتی ہے اس لیے اس کی بنیاد پر بکری اور چلاؤ کا نفع حاصل کرنا سود بھی ہے۔اسی طرح یونیفارم والے بھی اسکول کالج والوں کو عام استعمال کی کوئی چیز لے کر دیتے ہیں جس کے نتیجے میں اسکول کالج کے طلبہ کو یونیفارم اسی مخصوص دکان سے خریدنا پڑتا ہے۔

(۱۷) مروجہ کمیٹی (بی سی) میں سود کا عنصر: جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کمیٹی کا انتظام وانصرام سنبھالنے والا شروع میں اس بات کی شرط لگاتا ہے کہ پہلی کمیٹی میں لوں گا اور کمیٹی کا سارا انتظام میں سنبھالوں گا یعنی تمام حساب کتاب، لوگوں سے رقوم وصول کرنا اور قرعہ جس کے نام نکلے اس کو رقم پہنچانا وغیرہ اور پھر تمام ممبران، ماہانہ کمیٹی کی صورت میں بطورِ قرض پیسے اس کو دیتے ہیں۔اس صورت میں تمام ممبران اس کو ماہانہ قرض دے کر انتظام کی بھاری ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوجانے کا نفع حاصل کر رہے ہیں۔بعض منتظمین پہلی کمیٹی خود نہیں لیتے لیکن کمیٹی کے لیے جو رقم ممبران سے وصول کرتے ہیں اس کو پورا ماہ اپنے کاروبار میں لگا کر اس سے نفع حاصل کرتے ہیں، اس صورت میں بھی یہ رقم انتہاءً قرض ہوگئی اور یہ بھی ”کل قرض جر منفعة“ میں داخل اور سود ہے۔

(۱۸) تکافل اور بیمہ پالیسی خریدنا۔مثلاً پانچ لاکھ کی پالیسی دو لاکھ میں خرید لینا جو کہ بیک وقت سود، قمار اور غرر (دھوکہ) کا مجموعہ ہے۔(تفصیل ہمارے رسالہ ''مروجہ تکافل اور شرعی وقف'' میں ملاحظہ ہو)۔

(۱۹) بینک کا دوسرے اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں کم قیمت پر خریدنا۔اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بینک والے سالانہ تنخواہیں ملازمین کو یکمشت دے دیتے ہیں (کچھ رقم گھٹا کر) اور پھر ملازمین کی ہر ماہ کی تنخواہ (مکمل) بطورِ قسط وصول کرتے رہتے ہیں، مثلاً ایک ملازم کی ایک سال کی تنخواہ ایک لاکھ روپے ہے تو بینک اس کو یکمشت نوے ہزار دیتا ہے اور پھر ماہانہ اقساط کی صورت میں ایک لاکھ وصول کرتا ہے، جو کہ سود اور حرام ہے۔

(۲۰) تمام بیوعِ باطلہ و فاسدہ اور اجاراتِ باطلہ و فاسدہ کا نفع بھی بحکمِ سود اور حرام ہے۔کیونکہ اس میں مقتضائے عقد کے خلاف کسی ایک کے لیے منفعت کی جو شرط لگائی جاتی ہے وہ (منفعت) بدوں کسی عوض کے ہوتی ہے اور جو چیز بدوں عوض کے ملے وہ سود ہے۔

(۲۱) آج کل بعض موبائل کمپنیوں کا طریقہ کار یہ ہے کہ جو ہمارے پاس ایزی پیسہ کا اکاؤنٹ کھلوا کر دو ہزار روپے رکھوائے تو ہم ان کو درج ذیل سہولیات دیں گے:

۱۔ اتنے منٹس مفت۔

۲۔ اتنے پیغامات (ایس ایم ایس) مفت۔

۳۔ ترسیل رقوم مفت۔

یہ بھی ناجائز، حرام اور بحکمِ سود ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: إن الشروط الفاسدة من الربا وهی فی المعاوضات المالیة وغیرها لان الربا هو الفضل الخالی عن العوض وحقیقة الشروط الفاسدة هی زیادة ما لا یقتضیه العقد ولا یلائمه ففیها فضل خال عن العوض وهو

الربا كما في الزيلعي وغيره قبيل كتاب الصرف.

(الشامية ٧/١٨٩،ط: رشيديه)

(۲۲) جانوروں کی آنتوں کے بیوپاری کے پاس کچھ رقم جمع کرانا اس شرط پر کہ پورا سال طےشدہ قیمت پر مجھے آنتیں دینے کا پابند ہوگا۔

(۲۳) کھالوں کی خریداری کے لیے ٹینڈر والے کو رقم قرض دینا۔اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً زید ٹینڈر والے کو کھالوں کی خریداری کے لیے رقم قرض دیتا ہے،اب اگر زید کی رقم تین ماہ میں ادا کی جائے تو فی کھال ڈھائی سو روپے منافع لیتا ہے اور اگر تین ماہ کے بجائے چھ ماہ میں واپس کی جائے تو تین سو پچیس روپے منافع وصول کرتا ہے۔

﴿ربا الفضل کی تفصیل﴾

تعریف:

هو الفضل الخالي عن العوض المشروط في البيع.

(العناية مع الفتح ٧/٣،ط:قديمي)

''ربا الفضل''،بیع وشراء میں ایسی متعین ومشروط زیادتی کو کہا جاتا ہے جس کے مقابلے میں دوسری جانب سے کوئی عوض نہ ہو۔

''ربا الفضل'' سے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد ہے :

وعن عبادة بن الصامت قال : قال رسول الله ﷺ : الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء يدا بيد فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يدا بيد . رواه مسلم.(مشكوة ٢٤٤،ط:قديمي)

''حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سونا سونے کے

بدلے اور چاندی چاندی کے بدلے اور گیہوں گیہوں کے بدلے اور جو، جو کے بدلے اور کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے اگر لیا دیا جائے تو ان کا لین دین (مقدار) میں برابر سرابر ہاتھ در ہاتھ ہونا چاہیے اور اگر یہ قسمیں مختلف ہوں (مثلاً گیہوں کا تبادلہ جو کے ساتھ یا جو کا تبادلہ کھجور کے ساتھ) تو پھر اجازت ہے کہ جس طرح چاہو خرید و فروخت کرو (یعنی برابر سرابر ہونا ضروری نہیں ہے) البتہ لین دین کا ہاتھ در ہاتھ ہونا (اس صورت میں بھی) ضروری ہے"۔

فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کے پیشِ نظر یہ اصول مقرر کر دیا ہے کہ اشیاء کے باہمی تبادلہ کی چار صورتیں ہیں:

(۱) دونوں کی جنس بھی ایک ہو اور ناپنے کا پیمانہ بھی ایک ہو۔ جیسے چاول کو چاول کے بدلے بیچنا۔

حکم: زیادتی نا جائز اور سود ہے جیسے ۱۰/کلو چاول کے بدلے ۱۱/کلو لینا، تو ایک کلو کی زیادتی سود اور حرام ہے۔

اور ادھار بھی جائز نہیں جیسے ۱۰/کلو گندم دے کر اس کے بدلے میں ایک ماہ بعد ۱۰/کلو یا ۱۱/کلو گندم لینا، یہ بھی جائز نہیں۔

(۲) دونوں کی جنس مختلف ہو اور ناپنے کا پیمانہ ایک ہو۔ جیسے گندم کو جو کے بدلے بیچنا۔

حکم: زیادتی جائز ہے مثلاً ۱۰/کلو گندم کو ۱۱/کلو جو کے بدلے بیچنا جائز ہے ادھار جائز نہیں، مثلاً ۱۰/کلو گندم دے کر ایک ماہ بعد ۱۱/کلو جو لینا نا جائز ہے۔

(۳) دونوں کی جنس ایک ہو لیکن قدر (کسی پیمانے) کے تحت نہ آتے ہوں۔ (یعنی ناپ اور تول کے حساب سے نہ بکتے ہوں)۔ جیسے کینو اور کیلے وغیرہ۔

حکم: اس کا حکم بھی دوسری صورت کی مانند ہے کہ زیادتی جائز ہے لیکن ادھار حرام ہے۔

(۴) دونوں کی جنس بھی مختلف ہو اور قدر یعنی ناپنے کا پیمانہ بھی مختلف ہو۔ جیسے کپڑے کو

سونے چاندی کے عوض بیچنا۔

حکم: اس میں زیادتی بھی جائز ہے اور ادھار بھی جائز ہے۔

تنبیہ نمبر ۱: تمام بیوعِ باطلہ وفاسدہ اور اجاراتِ باطلہ وفاسدہ کا نفع بھی بحکمِ سود اور حرام ہے۔ کیونکہ اس میں مقتضائے عقد کے خلاف کسی ایک کے لیے منفعت کی جو شرط لگائی جاتی ہے وہ (منفعت) بدوں کسی عوض کے ہوتی ہے اور جو چیز بدوں عوض کے ملے وہ سود ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: إن الشروط الفاسدة من الربا وهي في المعاوضات المالية وغيرها لان الربا هو الفضل الخالي عن العوض وحقيقة الشروط الفاسدة هي زيادة ما لا يقتضيه العقد ولا يلائمه ففيها فضل خال عن العوض وهو الربا كما في الزيلعي وغيره قبيل كتاب الصرف.

(الشامية ٧/ ١٨٩، ط: رشيديه)

حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''شریعت میں ربوا یعنی سود کچھ زیادہ وصول کرنے ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہر عقدِ باطل وفاسد ربوا ہے اور اگر کوئی اپنی اصطلاح میں اس کا نام ربوا نہ رکھے تو احکام کا مدار نام پر نہیں ہے بلکہ حقیقت پر ہے، اور حرمت صرف ربوا کے ساتھ خاص نہیں، جو عقد کہ شرائط جواز کا فاقد ہو وہ بھی حرام ہے''۔ (امداد الفتاوی ۳/ ۴٦٦)

﴿دورِ حاضر میں ربا الفضل کی مروج صورتیں﴾

(۱) ریز گاری لیتے وقت ۱۰/ روپے کا نوٹ دے کر ۹/ روپے کی ریز گاری وصول کرنا۔ اس صورت میں سود سے بچنے کا طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ ۹ روپے کی ریز گاری کے ساتھ کوئی ٹافی وغیرہ یا روپے سے کم قیمت کی چیز بھی دی جائے تا کہ یہ چیز اس زائد ایک روپے کے

عوض میں ہو جائے۔

(۲) سونے کے کاروبار کی وہ صورتیں جن میں دونوں جانب جنس ایک ہونے کی صورت میں کمی زیادتی کی جاتی ہے جیسے زیورات کی شکل میں جو سونا ہوتا ہے وہ کم دے کر خالص سونا زیادہ لینا یا بالعکس۔

(۳) بیمہ اور مروج تکافل میں قمار اور غرر کی خرابیوں کے ساتھ ساتھ ایک خرابی یہ بھی ہے کہ تکافل میں پالیسی خریدی جاتی ہے جس کی رقم دی ہوئی رقم سے زیادہ ہوتی ہے اور یہ رقم کے بدلے رقم ہے اضافے کے ساتھ۔

(۴) انعامی بانڈز کو اس کی مقررہ رقم سے زیادہ یا کم پر بیچنا مثلاً سو روپے کے انعامی بانڈز کو ہزار یا نو سو روپے تک بیچنا یا سو روپے والے انعامی بانڈ کو ۸۰ یا ۹۰ روپے میں بیچنا۔

(۵) نئے کڑک نوٹوں کو عام روپے کے بدلے میں کمی زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا مثلاً سو روپے کے نئے نوٹوں کی گڈی جس میں کل نوٹ ۱۰۰ ہوں اور ان کی مجموعی رقم ۱۰،۰۰۰ ہو تو اس دس ہزار کی گڈی کو ۱۰،۵۰۰ میں فروخت کرنا۔

(۶) بلٹی کو کم قیمت پر بیچنا مثلاً ۵۰،۰۰۰ کی بلٹی کو ۴۸،۰۰۰ میں فروخت کرنا۔

(۷) مختلف اداروں کے بلوں کو جلدی وصولی کی وجہ سے کم قیمت پر بیچنا مثلاً کسی شخص کی رقم کسی ادارے یا کمپنی میں پھنسی ہو اور وہ اس رقم کی رسید کو کم قیمت پر بیچ دے یعنی ۱۰،۰۰۰ کی رسید کو ۹،۵۰۰ پر بیچ دے۔

(۸) مختلف ممالک کی کرنسیوں کا مقررہ حکومتی نرخ سے زیادہ کے ساتھ باہمی تبادلہ کرنا۔

تنبیہ : کرنسی، حوالہ اور ہنڈی کے تفصیلی مسائل ہمارے رسالہ بنام ''ہنڈی اور حوالہ کے کاروبار کی شرعی حیثیت'' میں ہے۔

﴿(۲) قمار اور جوئے کی تفصیل﴾

قمار و جوئے کی تعریف :

تعلیق التملیک بالخطر.(الشامیة ۶/۴۰۳،ط: ایچ ایم سعید)

خلاصہ اس تعریف کا یہ ہے کہ جس معاملے میں کسی کے ''مال کے مالک بنانے'' کو ایسی شرط پر موقوف رکھا جائے جس شرط میں وجود اور عدم دونوں کا احتمال ہو، اسی وجہ سے کسی فریق کو یا تو خالص نفع ہوگا یا خالص نقصان برداشت کرنا پڑے گا، جیسے لاٹری وغیرہ میں ہوتا ہے۔

یا یوں کہا جائے کہ ایسا معاملہ جس میں ہر فریق نے کسی غیر یقینی واقعہ کی بنیاد پر اپنا کوئی مال اس طرح داؤ پر لگایا ہو یا تو وہ مال بلا معاوضہ دوسرے فریق کے پاس چلا جائے گا یا دوسرے فریق کا مال پہلے فریق کے پاس بلا معاوضہ آ جائے گا۔ یہ قمار اور جوا کہلاتا ہے۔

اسی وجہ سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :'' **المخاطرة قمار**'' یعنی مخاطرہ قمار میں سے ہے، مخاطرہ کے معنی ہیں کہ ایسا معاملہ کیا جائے جو نفع اور ضرر کے درمیان دائر ہو، یعنی یہ بھی احتمال ہو کہ بہت سا مال مل جائے اور یہ بھی ہے کہ کچھ نہ ملے۔
(احکام القرآن للجصاص ۱/۴۵۰، ط: قدیمی)

وعیدات :

(۱) يَسأَلُونَكَ عَنِ الخَمرِ وَالمَيسِرِ قُل فِيهِمَا إِثمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثمُهُمَا أَكبَرُ مِن نَفعِهِمَا......الخ.[البقرة : ۲۱۹]

''لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے حکم سے متعلق دریافت کرتے ہیں، آپ ان سے فرما دیجیے کہ ان دونوں میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں ہیں اور لوگوں کے فائدے بھی ہیں (لیکن) ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت بڑا ہے''۔

(۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الخَمرُ وَالمَيسِرُ وَالأَنصَابُ وَالأَزلَامُ رِجسٌ مِن عَمَلِ الشَّيطَانِ فَاجتَنِبُوهُ لَعَلَّكُم تُفلِحُونَ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيطَانُ

أَن يُوقِعَ بَينَكُمُ العَدَاوَةَ وَالبَغضَاءَ فِي الخَمرِ وَالمَيسِرِ وَيَصُدَّكُم عَن ذِكرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلاةِ فَهَل أَنتُم مُنتَهُونَ. المائده : ۹۰، ۹۱]

''اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بُت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں، سواس سے بالکل الگ رہو تاکہ تم کو فلاح ہو، شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کر دے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے، سواب بھی باز آؤ گے۔''

وضاحت : اس آیت میں پوری وضاحت اور صراحت کے ساتھ شراب وقمار (جوا) کی حرمت نازل ہوگئی اور اس کی حرمت کو اتنی تاکیدوں کے ساتھ بیان کیا گیا کہ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

(۱) اس کے بیان کو لفظ ''انما'' سے شروع فرمایا جو عربی محاورے کے اعتبار سے ایک خاص تاکیدی مضمون پیدا کرتا ہے۔

(۲) ان چیزوں کو ''رجس'' یعنی گندی چیز فرمایا گیا جس سے طبعِ سلیم خود ہی اجتناب کرے۔

(۳) اس کو شیطان کا کام قرار دیا گیا۔

(۴) خمر وقمار کی حرمت کو بت پرستی کے ساتھ جمع کر کے اس کی انتہائی شدت بتلائی گئی کہ یہ چیزیں ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

(۵) اور یہ سب کچھ بتلا کر فاجتنبوا یعنی اس سے پرہیز کا حکم دیا گیا۔(والامر للوجوب)

(۶) اور اس سے بچنے کو فلاح قرار دیا جس سے یہ بات ظاہر ہے کہ اس کا ارتکاب قبیح اور شنیع عادت ہے۔

(۷) پھر اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کی دنیاوی اور دینی خرابیاں اگلی آیت میں اس طرح بیان کی ہیں کہ شیطان ان چیزوں سے تمہاری دنیا اور دین دونوں کو برباد کرنا چاہتا ہے

کہ دنیا میں اس کی وجہ سے تمہارے آپس میں بغض وعداوت کی بنیاد پڑ جاتی ہے جس کے مفاسد بہت دور تک پہنچتے ہیں اوران چیزوں کی عادت اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز جیسے فریضے سے انسان کو روک دیتی ہے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس کے شر سے بچائے۔

قال الامام الفخر الرازی رحمه الله تعالى : تحت قوله تعالى ﴿انما يريد الشيطان .... الخ﴾اعلم ان هذه الاية دالة على تحريم شرب الخمر من وجوه : **احدها** : تصدير الجملة بانما، وذلك لان هذه الكلمة للحصر ،فكانه تعالى قال : لا رجس ولا شيء من عمل الشيطان الا هذه الأربعة، **وثانيها** : انه تعالى قرن الخمر والميسر بعبادة الوثان،ومنه قوله ﷺ :شارب الخمر كعابد الوثن، **وثالثها** : انه تعالى امر بالاجتناب، وظاهر الامر للوجوب، **ورابعها** : انه قال ﴿لعلكم تفلحون﴾ جعل الاجتناب من الفلاح واذا كان الاجتناب فلاحاً كان الارتكاب خيبة، **وخامسها** انه شرح انواع المفاسد المتولدة منها فى الدنيا والدين، وهى وقوع التعادى والتباغض بين الخلق وحصول الاعراض عن ذكر الله تعالى وعن الصلاة. **وسادسها** : قوله ﴿فهل انتم منتهون﴾ وهو من ابلغ ما ينتهى به كانه قيل : قد تلى عليكم ما فيها من انواع المفاسد والقبائح فهل انتم منتهون مع هذه الصوارف؟ ام انتم على ما كنتم عليه حين لم توعظوا بهذه المواعظ، **وسابعها** : انه تعالى قال بعد ذلك.

(التفسير الكبير ۴/۴۲۵)

قال الامام ابو بكر الجصاص رحمه الله تعالىٰ :وقال ابن عباس وقتادة ومعاوية بن صالح وعطاء وطاوس ومجاهد: الميسر القمار. وقال عطائوطاوس ومجاهد: حتى لعب الصبيان بالكعاب والجوز وروى عن على بن زيد عن القاسم عن أبى أمامة عن أبى موسى عن النبىﷺ قال: اجتنبوا هذه الكعاب

الموسومة التي يزجر بها زجرا فإنها من الميسر وروى سعيد بن أبي هند عن أبي موسى عن النبي ﷺ قال: من لعب بالنرد فقد عصى الله ورسوله. وروى حماد بن سلمة عن قتادة عن حلاس أن رجلا قال لرجل: إن أكلت كذا وكذا بيضة فلك كذا وكذا فارتفعا إلى علي فقال: هذا قمار ولم يجزه ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار وأن المخاطرة من القمار قال ابن عباس: إن المخاطرة قمار وإن أهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال والزوجة وقد كان ذلك مباحا إلى أن ورد تحريمه.

(احکام القرآن للجصاص ۱/ ۴۵۰، ط:قدیمی)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ قتادۃ، معاویہ بن صالح، عطاء، طاؤس اور مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''المیسر'' یہ جُوا ہے اور عطاء، طاؤس اور مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہاں تک کہ بچوں کا نرد کے مہروں اور اخروٹ سے کھیلنا بھی اس میں داخل ہے اور علی بن زید سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ان علامت شدہ نرد کے مہروں سے بچو جن پر وعید آئی ہے کیوں کہ یہ جُوا ہے اور سعید بن ابی ہند ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں نبی ﷺ کے واسطے سے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو نردشیر سے کھیلا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور حماد بن سلمہ قتادۃ سے اور وہ حلاس سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے کہا کہ: اگر تو اتنے اتنے انڈے کھائے تو تیرے لیے اتنی اتنی مقدار ہے پس دونوں اپنا معاملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لے کر گئے تو آپ نے فرمایا کہ: یہ جُوا ہے اور آپ نے اس کو جائز قرار نہیں دیا، جُوئے کے حرام ہونے میں اہل علم کے درمیان اور اس بات میں کہ ''مخاطرہ'' جوے میں داخل ہے، کوئی اختلاف نہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''مخاطرہ'' قمار ہے اور جاہلیت والے مال پر اور بیوی پر جوا کھیلتے تھے اور یہ حرمت واقع ہونے تک مباح تھا''۔

اسی طرح احادیثِ صحیحہ میں شطرنج اور چوسر وغیرہ (جو اس زمانے کے معروف کھیل تھے) جن میں عموماً مال کی ہار جیت پائی جاتی ہے، کو حرام قرار دیا گیا اور ان پر سخت وعیدیں وارد ہوئیں، چنانچہ یہاں چند وعیدات بیان کی جاتی ہیں :

(۱) عن سليمان بن بريدة عن أبيه : أن النبی ﷺ قال من لعب بالنردشير فكأنما صبغ يده فی لحم خنزير ودمه.(مسلم ۲/۲۴۰، ط:قديمی)

''جو شخص نردشیر (ایک قسم کا کھیل) کھیلتا ہے وہ گویا خنزیر کے گوشت اور خون میں اپنے ہاتھ رنگتا ہے''۔

(۲) وعن أبی موسى الأشعری أن رسول الله ﷺ قال : من لعب بالنرد فقد عصى الله ورسوله .رواه أحمد وأبو داود.(مشكوة ۳۸۶، ط:قديمی)

''جس شخص نے نردشیر کھیلا (ایک قسم کا کھیل) اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی''۔

(۳)عن عبد الله بن عمرو قال : من لعب بالنرد قمارا كان كاكل لحم الخنزير ومن لعب بها من غير قمار كان كالمدهن بودك الخنزير. (مصنف ابن ابی شيبة ۱۳/ ۳۵۰،رقم الحديث ۲۶۶۷۸)

''نردشیر (ایک قسم کا کھیل) جوا لگا کر کھیلنے والے کی مثال خنزیر کا گوشت کھانے والے کی سی ہے اور بغیر جوا لگائے کھیلنے والے کی مثال خنزیر کی چربی کے تیل لگانے والے کی سی ہے''۔

احادیثِ بالا سے معلوم ہوا کہ آج کل کے وہ کھیل جن میں نہ دینی فائدہ ہو نہ دنیاوی فائدہ، جیسے تاش، کیرم بورڈ، لڈو وغیرہ خود بھی ناجائز ہیں پھر اگر ان پر جوا یا سٹہ لگا کر کھیلا جائے تو گناہ میں اور بھی شدت آجائے گی بلکہ بعض احادیث میں اس طرح رقم حاصل کر کے کھانے والے کو خنزیر کا گوشت کھانے والا کہا گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الخَمرُ وَالمَيسِرُ وَالأَنصَابُ وَالأَزلَامُ

رِجسٌ مِن عَمَلِ الشَّيطَانِ فَاجتَنِبُوهُ لَعَلَّكُم تُفلِحُونَ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيطَانُ أَن يُوقِعَ بَينَكُمُ العَدَاوَةَ وَالبَغضَاءَ فِي الخَمرِ وَالمَيسِرِ وَيَصُدَّكُم عَن ذِكرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَل أَنتُم مُنتَهُونَ (المائدة ٩٠، ٩١)

قال الامام القرطبی رحمه الله تعالیٰ: تدل (هذه الاية: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الخَمر....) على تحريم اللعب بالنرد والشطرنج قمارا أو غير قمار. (تفسير قرطبى ٦/ ٢٧١)

(۴) عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ: من حلف فقال فی حلفه واللات والعزى فليقل لا إله إلا الله ومن قال لصاحبه تعال أقامرك فليتصدق. (البخارى ٢/ ١ ٢٧، ط:قديمى)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے لات اورعزا کے ساتھ قسم کھائی تو وہ لَا اِلٰہ الا اللّٰہ کہےاور جس نے اپنے ساتھی کو جوا کھیلنے کا کہا (محض زبان سے اس کی دعوت دی) تو اس پر لازم ہے کہ کچھ صدقہ دے، معلوم ہوا کہ صرف زبان سے اس کی دعوت دینا بھی جرم ہےاوراس جرم کا کفارہ صدقہ ہے“۔

قمار کے سماجی اور اجتماعی نقصانات:

(۱) قمار یعنی جوئے سے متعلق بھی قرآنِ کریم نے وہی ارشاد فرمایا جو شراب کے متعلق آئے ہیں کہ اس میں کچھ منافع بھی ہیں مگر نفع سے اس کا نقصان وضرر بڑھا ہوا ہے، اس کے منافع کو تو ہر شخص جانتا ہے کہ جیت جائے تو بیٹھے بیٹھے ایک فقیر بدحال آدمی ایک ہی دن میں مال دار وسرمایہ دار بن سکتا ہے، مگر اس کی معاشی اور اجتماعی، سماجی اور روحانی خرابیاں اور مفاسد بہت کم لوگ جانتے ہیں۔

اس کا اجمالی بیان یہ ہے کہ جوئے کا کھیل سارا اس پر دائر ہے کہ ایک شخص کا نفع دوسرے کے ضرر پر موقوف ہے، جیتنے والے کا نفع، ہارنے والے کے نقصان کا نتیجہ ہوتا ہے، کیونکہ اس

کاروبار سے کوئی دولت بڑھتی نہیں، وہ اسی طرح منجمد حالت میں رہتی ہے، گویا جوا مجموعی حیثیت سے قوم کی تباہی اور انسانی اخلاق کی موت ہے کہ جس انسان کو نفع رسانی خلق اور ایثار و ہمدردی کا پیکر ہونا چاہیے وہ ایک خونخوار درندہ کی خاصیت اختیار کر لے کہ دوسرے بھائی کی موت میں اپنی زندگی اس کی مصیبت میں اپنی راحت، اس کے نقصان میں اپنا نفع سمجھنے لگے اور اپنی پوری قابلیت اسی خود غرضی پر خرچ کرے، بخلافِ تجارت اور بیع و شراء کی جائز صورتوں کے ان میں طرفین کا فائدہ ہوتا ہے اور بذریعۂ تجارت اموال کے تبادلے سے دولت بڑھتی ہے اور خریدنے والا اور بیچنے والا دونوں اس کا فائدہ محسوس کرتے ہیں۔

(۲) ایک بھاری نقصان جوئے میں یہ ہے کہ اس کا عادی اصل کمائی اور کسب سے عادۃً محروم ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی خواہش یہی رہتی ہے کہ بیٹھے بٹھائے ایک شرط لگا کر دوسرے کا مال چند منٹ میں حاصل کرے، جس میں نہ کوئی محنت نہ مشقت، بعض حضرات نے جوے کا نام میسر رکھنے کی یہ وجہ بھی بیان کی ہے کہ اس کے ذریعہ سے آسانی سے دوسرے کا مال اپنا بن جاتا ہے۔

(۳) جوئے کی ایک خرابی یہ بھی ہے کہ شراب کی طرح قمار بھی آپس میں لڑائی جھگڑے اور فتنہ وفساد کا سبب ہوتا ہے، ہارنے والے کو طبعی طور پر جیت جانے والے سے نفرت اور عداوت پیدا ہوتی ہے اور یہ تمدن و معاشرت کے لیے سخت مہلک چیز ہے، اس لیے قرآن کریم نے خاص طور پر اس مفسدہ کو ذکر فرمایا ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيطَانُ أَن يُوقِعَ بَينَكُمُ العَدَاوَةَ وَالبَغضَاءَ فِي الخَمرِ وَالمَيسِرِ وَيَصُدَّكُم عَن ذِكرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ .
(المائدہ ۹۰، ۹۱)

''شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کردے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے''۔

(۴) اسی طرح قمار کا ایک لازمی اثر یہ ہے کہ شراب کی طرح آدمی اس میں مست ہو کر

ذکراللہ اور نماز سے غافل ہو جاتا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے شراب اور قمار کو ایک ہی جگہ، ایک ہی انداز سے ذکر فرمایا کہ معنوی طور پر قمار کا بھی ایک نشہ ہوتا ہے جو آدمی کو اس کے بھلے برے کی فکر سے غافل کر دیتا ہے، مذکورہ آیات میں بھی ان دونوں چیزوں کو جمع کر کے، دونوں کے یہ مفاسد ذکر فرمائے ہیں کہ وہ آپس کی عداوت اور بغض کا سبب بنتے ہیں اور ذکراللہ اور نماز سے مانع بن جاتے ہیں۔

(۵) قمار کی ایک اصولی خرابی یہ بھی ہے کہ یہ باطل طریقے پر دوسرے لوگوں کا مال ہضم کرنے کا ایک طریقہ ہے کہ بغیر کسی معقول معاوضہ کے دوسرے بھائی کا مال لے لیا جاتا ہے، اسی کو قرآنِ کریم نے ان الفاظ میں منع فرمایا ہے: **لا تأكلوا اموالكم بينكم بالباطل** کہ لوگوں کا مال باطل طریقے پر مت کھاؤ۔

(۶) قمار میں ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ دفعتاً بہت سے گھر برباد ہو جاتے ہیں، لکھ پتی آدمی فقیر بن جاتا ہے جس سے صرف یہی شخص متاثر نہیں ہوتا، جس نے جرم قمار کا ارتکاب کیا ہے بلکہ اس کا پورا گھرانہ اور خاندان مصیبت میں پڑ جاتا ہے۔

(۷) قمار میں ایک مفسدہ یہ بھی ہے کہ اس سے انسان کی قوتِ عمل سست ہو کر واہمی منافع پر لگ جاتی ہے اور وہ بجائے اس کے کہ اپنے ہاتھ یا دماغ کی محنت سے کوئی دولت بڑھاتا رہے اس کی فکر اس بات میں محصور ہو کر رہ جاتی ہے کہ کسی طرح دوسرے کی کمائی پر اپنا قبضہ جمائے۔ (ماخوذ از معارف القرآن، بتغیر)

اور بخاری شریف کی حدیث میں بھی جوئے سے بچنے اور دور رہنے کی اس قدر تاکید آئی ہے کہ محض زبان سے اس کا نام لینے اور دعوت دینے کو بھی گناہ گردانتے ہوئے اس گناہ کی تلافی کے لیے صدقہ کا حکم فرمایا لیکن افسوس کی بات ہے کہ قرآن کریم کی اس قدر تاکیدی انداز میں اس کو حرام قرار دینا اور حدیث پاک میں محض زبان سے اس کی دعوت دینے کو جرم

قرار دینے کے باوجود آج مسلمان اس سے غافل اور اس گناہ میں اس طرح منہمک ہیں گویا کہ اس کی ممانعت ہی نہیں اور بہت سے دین دار لوگ بھی اس مرض میں مبتلا ہیں، اس لیے یہاں قمار کی مروجہ صورتیں لکھی جاتی ہیں تا کہ ہر مسلمان ان سے بچنے کی کوشش کرے۔

قمار کی مروجہ صورتیں :

(۱) جوئے کے اڈے۔

(۲) لاٹری۔

(۳) کھیلوں میں کھلاڑیوں کا پیسہ جمع کر کے جیتنے والوں کو وہ پیسہ نقد یا اشیاء کی صورت میں انعام کے نام سے دینا، جیسے کرکٹ، فٹ بال وغیرہ۔

(۴) کیرم بورڈ پر کھیل کر ہارنے والے کے ذمہ کرایہ لگانا یا کرایہ کے علاوہ ہارنے والے سے مزید رقم لے کر جیتنے والے کو دینا۔

(۵) پتنگ بازی پر جوا :

یہ کام خود بھی فضول اور لایعنی ہے جس کی شناعت اور حرمت پر علماءِ کرام کے مستقل تحریریں، فتاویٰ اور رسائل موجود ہیں اور جوئے کی وجہ سے اس کی برائی میں مزید اضافہ ہو گیا۔

(۶) کبوتر بازی :

اس کی صورت یہ ہے کہ کبوتروں کو اڑاتے ہیں پھر جس کا کبوتر دوسروں کے ساتھ مل کر اس کے پاس گیا وہ اس کا ہو گیا یہ بھی صریح جوا ہے، جس پر حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے:

عن أبي هريرة : أن رسول الله ﷺ رأى رجلا يتبع حمامة فقال:شيطان يتبع شيطانة. رواه أحمد وأبو داود وابن ماجه والبيهقي في شعب الإيمان.(مشكوة ٣٨٦)

"حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو کبوتر کے پیچھے دوڑتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: شیطان، شیطان کے پیچھے بھاگ رہا ہے"۔

(۷) تیتر، مرغ، بٹیر و چکور بازی:

اس کی صورت یہ ہے کہ ان کو لڑا کر ہار جیت پر رقم لگائی جاتی ہے، یہ جوا ہے نیز ان کو لڑانے میں ان پر ظلم بھی ہے جس پر حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے:

عن ابن عباس قال : نهى رسول الله ﷺ عن التحريش بين البهائم . رواه الترمذى .(مشكوة ۳۵۹)

''ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کو ایک دوسرے پر ابھارنے (یعنی ان کو آپس میں لڑانے سے) منع فرمایا''۔

(۸) کھلاڑیوں کے حرکات وسکنات اور ہار جیت پر دوسرے لوگ جو کھلاڑی نہیں، جو رقم وغیرہ لگاتے ہیں وہ بھی جوا ہے جیسے پاکستانی ٹیم جیتے گی تو آپ اتنے لاکھ دیں گے اور ہندوستانی جیتے گی تو میں اتنا دوں گا یہ بھی بہت بڑا جوا ہے۔

(۹) سونے کا صرف زبانی سودا کیا اور تحریر لکھ دی کہ اتنا تولہ سونا اس بھاؤ پر خریدا، دوسرے نے قبول کیا اور ایک دن، دو دن یا ہفتہ مقرر ہوا اس مقررہ مدت کے گزرنے کے بعد اگر سونے کی قیمت بڑھ گئی تو بیچنے والا وہ زیادہ پیسہ دے گا، کم ہوگئی تو خریدار کمی کی بقدر پیسہ دے گا، یہ بھی جوئے کی ایک صورت ہے، اس میں خرید وفروخت مقصود نہیں ہوتی بس ہار اور جیت کے لیے اس کی قیمت کو معیار بنایا جاتا ہے، ہنڈی اور حوالے کے کاروبار میں اسی قسم کا جوا ہوتا ہے۔

(۱۰) مختلف قسم کے ریسوں میں جانبین سے پیسہ اکھٹا کر کے جیتنے والے کو دینا۔

(۱۱) انشورنس، بیمہ اور تکافل۔

(۱۲) ایک مبیع کے لیے بہت سے خریدار ثمن جمع کرائیں اور بولی کے ذریعے چیز ایک کو دی جائے۔

(۱۳) اخروٹ اور انڈوں کو لڑانا یا لڑانے پر پیسے لگانا۔

﴿(۳) رشوت کی تفصیل﴾

رشوت کی تعریف :

(۱) عند الحنفية وغيرهم : ما يعطى لا بطالِ حق او لاحقاق باطل.(القاموس الفقهي : ۱۴۹)

''جو چیز (مال وغیرہ) کسی حق کو ناحق ثابت کرنے کے لیے یا ناحق کو حق ثابت کرنے کے لیے دی جائے''۔

(۲) مايتوصل به الى ممنوع.(حواله بالا)

''وہ مال وغیرہ جس کے ذریعے کسی ممنوع اور ناجائز کام تک رسائی حاصل کی جائے''۔

رشوت کی جامع تعریف :

اخذ الاموال على فعل ما يجب على الأخذ فعله أو فعل ما يجب عليه تركه.(البحر المحيط بحواله معارف القرآن۵/۳۹۷)

''جس کام کا کرنا کسی کے ذمہ واجب ہے اس کے کرنے پر معاوضہ لینا یا جس کام کا چھوڑنا کسی کے ذمہ لازم ہے اس کے کرنے پر معاوضہ لینا، رشوت ہے''۔

وعیدات : اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اٰمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَأْتُوْكَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِه يَقُوْلُوْنَ إِنْ أُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَإِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَه فَلَنْ تَمْلِكَ لَه مِنَ اللّٰهِ شَيْأً أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يُطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزيٌ وَّلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ أَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ فَإِنْ جَاءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ

أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا وَّإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ.[المائدة: ۴۱،۴۲]

''اے رسول جولوگ کفر میں دوڑ دوڑ کر گرتے ہیں آپ کو مغموم نہ کریں خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کے دل یقین لائے نہیں اور خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو کہ یہودی ہیں یہ لوگ غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں آپ کی باتیں دوسری قوم کی خاطر سے کان دھر دھر سنتے ہیں جس قوم کے یہ حالات ہیں کہ وہ آپ کے پاس نہیں آئے کلام کو بعد اس کے کہ وہ اپنے مواقع پر ہوتا ہے بدلتے رہتے ہیں کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ حکم ملے تب تو اس کو قبول کر لینا اور اگر تم کو یہ حکم نہ ملے تو احتیاط رکھنا اور جس کا خراب ہونا خدا ہی کو منظور ہو تو اس کے لیے اللہ سے تیرا کچھ زور نہیں چل سکتا یہ لوگ ایسے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو ان کے دلوں کا پاک کرنا منظور نہیں ہوا ان لوگوں کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے سزائے عظیم ہے یہ لوگ غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں بڑے حرام کے کھانے والے ہیں تو اگر یہ لوگ آپ کے پاس آوے تو خواہ آپ ان میں فیصلہ کر دیجیے یا ان کو ٹال دیجیے اور اگر آپ ان کو ٹال ہی دیں تو ان کی مجال نہیں کہ آپ کو ذرا بھی ضرر پہنچا سکیں اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان میں عدل کے موافق فیصلہ کیجیے بے شک حق تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں''۔

''سحت'' کی وضاحت :

اس آیت کریمہ کے اندر ﴿اکلون للسحت﴾ یعنی یہ لوگ ''سحت'' کھانے کے عادی ہیں۔ ''سحت'' کے لفظی معنی کسی چیز کو جڑ اور بنیاد سے کھود کر برباد کرنے کے ہیں، اسی معنی میں قرآنِ کریم نے فرمایا ہے: ﴿ فیسحتکم بعذاب الیم﴾ یعنی اگر تم اپنی حرکت سے باز نہ آؤ گے تو اللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے تمہارا استیصال کر دے گا، یعنی تمہاری جڑ اور بنیاد ختم کر

دی جائے گی، قرآنِ کریم میں اس جگہ لفظ''سحت'' سے مراد رشوت ہے۔

حضرت علی، ابراہیم نخعی، حسن بصری، مجاہد، قتادہ، ضحاک، وغیرہ ائمہ تفسیر رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر رشوت سے کی ہے۔

رشوت کو''سحت'' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ نہ صرف لینے دینے والوں کو برباد کرتی ہے بلکہ پورے ملک وملت کی جڑ، بنیاد اور امنِ عامہ کو تباہ کرنے والی ہے۔ جس ملک یا جس محکمہ میں رشوت چل جائے وہاں قانون معطل ہو کر رہ جاتا ہے اور قانونِ ملک ہی وہ چیز ہے جس سے ملک وملت کا امن برقرار رکھا جاتا ہے وہ معطل ہو گیا تو نہ کسی کی جان محفوظ رہتی ہے، نہ آبرو، نہ مال، اس لیے شریعتِ اسلام میں اس کو''سحت'' فرما کر اشد حرام قرار دیا ہے اور اس کے دروازے کو بند کرنے کے لیے امراء وحکام کو جو ہدایا اور تحفے پیش کیے جاتے ہیں ان کو بھی صحیح حدیث میں رشوت قرار دے کر حرام قرار دیا گیا ہے۔ (جصاص، مأخوذ از معارف القرآن ۳/۱۵۱)

(۱) وعن عبد الله بن عمرو قال : لعن رسول الله ﷺ الراشي والمرتشي . رواه أبو داود وابن ماجه. (مسند امام احمد ۲/۳۴۹، رقم الحديث ۶۴۹۶، ط:دار احياء التراث العربی، بيروت)

حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے رشوت دینے اور لینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

(۲) وعنه رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال :الراشي والمرتشي في النار.

(مجمع الزوائد ۴/۳۵۹، ط:دار الفكر، بيروت)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنمی ہیں۔

(۳) وعن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قال : سمعت رسول الله ﷺ يقول : ما من قوم يظهر فيهم الزنا إلا أخذوا بالسنة وما من قوم يظهر فيهم الرشا إلا أخذوا بالرعب .(مسند احمد، ۵/۲۳۳، ط:دار احياء التراث)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس قوم میں زنا عام ہو جائے تو قحط سالی اور فقر و فاقہ ان پر مسلط کیا جاتا ہے اور جس قوم میں رشوت عام ہو جائے تو وہ قوم دلوں سے کھوکھلی ہو جاتی ہے (یعنی وہ قوم بزدل بن جاتی ہے)۔

(۴) وعن ثوبان رضی اللہ عنہ :قال : لعن رسول الله ﷺ الراشی والمرتشی والرائش يعنی الذی يمشی بينهما.

(مسند احمد ۲۷۶/۶، رقم الحديث :۲۱۸۹۳، ط:دار احياء التراث العربی، بيروت)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے پر اور ان کے درمیان واسطہ بننے والے پر۔

رشوت کی مروجہ صورتیں :

(۱) عدالتوں اور کچہریوں میں رشوت دینا، لینا۔

(۲) محکمۂ پولیس میں رشوت دینا، لینا۔

(۳) سرکاری وغیر سرکاری اداروں میں ملازمت کے حصول کے لیے رشوت دینا، لینا۔

(۴) منصب کی وجہ سے ہدایا و تحائف کے نام پر رشوت دینا، لینا۔

(۵) مختلف اداروں میں آڈٹ کرنے والوں کو بنامِ تحفہ رشوت دینا، لینا۔

(۶) مختلف اداروں میں سہولیات کے حصول کے لیے رشوت دینا، لینا۔ مثلاً خود کو شادی شدہ ظاہر کر کے مختلف الاؤنسز وصول کرنا یا اپنے ذاتی مکان کو کاغذات میں کرایہ کا گھر ظاہر کروا کے کرائے کے نام پر رقم حاصل کرنا اور اس مقصد کے حصول کے لیے متعلقہ افسران کو پیسے دینا۔

(۷) حکومت کی جانب سے مختلف کاموں کے لیے اجازت ناموں (لائسنس) کے حصول کے لیے رشوت دینا، لینا۔ مثلاً ڈرائیونگ لائسنس، اسلحہ لائسنس، میڈیکل کے مختلف شعبوں کے لائسنس، کمپنیوں کو رجسٹرڈ کروانا وغیرہ وغیرہ۔

(۸) ڈگریوں اور سندات کے حصول کے لیے رشوت دینا، لینا۔

(۹) جعلسازی کے لیے رشوت دینا، لینا۔ مثلاً بِلوں میں کمی زیادتی، شناختی کارڈ ، ویزہ، پاسپورٹ، امتحانی پرچہ جات ،نمبرات کی تبدیلی اور دیگر ہر قسم کی دستاویزات میں جعلسازی کے لیے رشوت دینا، لینا۔

(۱۰) کام جلدی نکلوانے کے لیے رشوت دینا، لینا۔ مثلاً کسی بھی شعبے میں اپنی باری مقدم کروانے کے لیے پیسے دینا، جیسے ڈاکٹر کے کلینک میں، شناختی کارڈ، ویزہ، پاسپورٹ وغیرہ دستاویزات کے حصول میں رشوت دے کر اپنی باری جلدی کروانا۔

(۱۱) ظلم میں معاونت کے لیے رشوت دینا، لینا۔ مثلاً ناجائز مقدمات، ناجائز قبضوں کے لیے رشوت دینا، لینا۔

(۱۲) ڈیوٹی سے غیر حاضر شخص کی حاضری لگوانے کے لیے رشوت دینا، لینا۔

(۱۳) سڑکوں اور فٹ پاتھ پر ٹھیلے اور اسٹال والوں کا بلدیہ والوں کو رشوت دینا، لینا۔

(۱۴) شادی کے موقع پر لڑکی والوں کا لڑکے والوں سے جہیز اور کھانے کے نام پر نقد رقم یا آٹا یا بیل وغیرہ لینا۔

(۱۵) کسی کو اس کے حق سے زیادہ دینے پر رشوت دینا، لینا۔ مثلاً ٹینکر والوں کا مقدارِ مقررہ (منظور شدہ) سے زیادہ پانی دینے پر رشوت لینا۔ لائن مین کا زیادہ دیر پانی کھولنے پر پیسے لینا۔ بجلی کے لائن میں کا کچھ رقم لے کر کسی کو کنڈا لگا دینا۔

(۱۶) تعلیمی اداروں میں مختلف اقسام کی رشوتیں۔ مثلاً نا اہل کو داخلہ دلوانا یا دینا، من پسند اسکول یا کالج میں داخلہ کروانا وغیرہ۔

(۱۷) کسی بااثر شخص کو کسی ممنوعہ معاملے پر خاموش رہنے کے لیے رشوت دینا، لینا۔

(۱۸) مختلف اقسام کے ٹھیکوں کے حصول کے لیے رشوت دینا جیسے فیکٹریوں میں کیبل پائپ کے ٹھیکے کے لیے منیجر وغیرہ کو رشوت دینا، لینا۔

(۱۹) سیاسی شخصیات کا انتخابات میں پارٹی ٹکٹ کے حصول کے لیے پارٹی کی اعلیٰ

قیادت کو رشوت دینا۔

(۲۰) ووٹروں سے ووٹ خریدنا بھی رشوت ہے۔

(۲۱) ریکوری اور رقم نکلوانے پر کچھ لینے کی تفصیل:

جماعت، خاندان اور قبیلہ کی قوت کے بل بوتے پر ظالم سے مظلوم کو حق دلوانے پر رقم لینا۔ جیسے مقروض باوجود استطاعت کے قرض ادا نہ کرتا ہو تو اس ظالم (مقروض) سے صاحبِ قدرت مقرِض (مظلوم) کے لیے قرض نکلوانا جسے آج کل کے عرف میں ''ریکوری'' اور ''جرگہ'' کہا جاتا ہے۔

اس کی ابتداءً دو صورتیں ہیں:

(۱) مطلوبہ کام ہونے سے پہلے دیا جائے۔

(۲) مطلوبہ کام ہو جانے کے بعد دیا جائے۔

پہلی صورت کی تفصیل:

پھر اس کی تین صورتیں ہیں:

(الف) دینا مشروط ہو۔

حکم: یہ رشوت ہے اور لینے دینے والے دونوں کے لیے حرام اور ناجائز ہے۔ البتہ اگر اس کے سوا کام نکلنے کی اور کوئی صورت نہیں ہے تو چونکہ دینے والے کی غرض دفعِ ظلم ہے اس لیے دینے سے گنہگار نہ ہوگا۔

(ب) دینا مشروط نہ ہو البتہ جس کو دیا جا رہا ہے اس کو اس بات کا علم ہو کہ مجھے کام نکلوانے کی غرض سے دیا جا رہا ہے۔

حکم: اس میں دو قول ہیں، راجح جواز ہے۔

(ج) دینا مشروط نہ ہو اور جس کو دیا جا رہا ہے اس کو اس غرض کا علم نہ ہو۔

حکم: بالاتفاق جائز ہے۔

دوسری صورت کی تفصیل:

اس کی بھی تین صورتیں ہیں:

(الف) دینا مشروط ہو۔

حکم: یہ رشوت ہے اور لینے دینے والے دونوں کے لیے حرام اور ناجائز ہے۔ البتہ اگر اس کے سوا کام نکلنے کی اور کوئی صورت نہیں ہے تو چونکہ دینے والے کی غرض دفعِ ظلم ہے اس لیے دینے سے گنہگار نہ ہوگا۔

(ب) دینا مشروط نہ ہو البتہ اس لالچ اور ارادے سے کام کرے کہ بعد میں کچھ دے گا۔

حکم: اس صورت میں نہ لینا بہتر ہے البتہ اگر لے لیا تو بھی جائز ہے۔

(ج) بدوں کسی شرط وطمع کے کام مکمل ہو جانے کے بعد کچھ دے دے۔

حکم: جائز ہے۔

قال الامام ابن الهمام رحمه الله تعالىٰ :......الثالث: أخذ المال ليسوى أمره عند السلطان دفعا للضرر أو جلبا للنفع وهو حرام على الآخذ لا الدافع............ هذا إذا كان فيه شرط أما إذا كان الإهداء بلا شرط ولكن يعلم يقينا أنه إنما يهدى إليه ليعينه عند السلطان فمشايخنا على أنه لا بأس به ولو قضى حاجته بلا شرط ولا طمع فأهدى إليه بعد ذلک فهو حلال لا بأس به وما نقل عن ابن مسعود من كراهته فورع.(فتح القدير ٣٥٩/٦،ط:رشيديه)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ : الثالث: أخذ المال ليسوى أمره عند السلطان دفعا للضرر أو جلبا للنفع وهو حرام على الآخذ فقط .... هذا إذا كان فيه شرط أما إذا كان بلا شرط لكن يعلم يقينا أنه إنما يهدى ليعينه عند السلطان فمشايخنا على أنه لا بأس به ولو قضى حاجته بلا شرط ولا طمع

فأهدى إليه بعد ذلک فهو حلال لا بأس به وما نقل عن ابن مسعود من كراهته فورع.(الشامية ٥/٣٦٢،ط:سعيد)

وفي الهندية :...... وهل يحل للمعطى الإعطاء بدون هذه الحيلة تكلموا فيه قيل لا يحل وقيل يحل وهو الأصح هذا إذا أعطاه قبل أن يسوى أمره أما إذا أعطاه بعد أن سوى أمره ونجاه عن ظلمه فيحل للمعطى الإعطاء ويحل للآخذ الأخذ وهو الأصح كذا في محيط السرخسي وهو الصحيح كذا في فتاوى قاضي خان الوجه الثاني إذا لم يشترط ذلک صريحا ولكن إنما يهدى إليه ليعينه عند السلطان وفي هذا الوجه اختلف المشايخ رحمهم الله تعالى وعامتهم على أنه لا يكره.

(الهندية ٣/ ٣٣١، ٣٣٢،ط:رشيديه)

(۲۲) عام طور پر گاڑیوں کے مستری یعنی مکینک جب گاڑی بنواتے ہیں تو خاص آٹوز کی دکان سے سامان خریدنے کے لیے گاڑی کے مالک کو بھیجتے ہیں اور اسی کی دکان میں پڑے ہوئے سامان اور کمپنی کے سامان کی خریداری کا مشورہ دیتے ہیں اور اس طرح کرنے پر آٹوز کے مالک سے کچھ پیسے لیتے ہیں، آٹوز کا مالک اس وجہ سے ان کو یہ پیسے دیتا ہے کہ یہ گاڑیوں کے مالکان کو میرے پاس بھیجتا رہے، آٹوز کا مالک مستری اور مکینک کے واسطے سے آئے ہوئے گاہک کو اتنی مقدار سامان مہنگا دیتا ہے جتنی مقدار اس نے مستری کو دینا ہوتا ہے، اگر مستری کے واسطے کے بغیر گاہک آجائے تو اس کو کم قیمت پر دیتے ہیں، یہ بھی رشوت میں داخل، ناجائز اور حرام ہے۔

(۲۳) اسی طرح میڈیکل اسٹور اور لیباٹری والے بھی ڈاکٹروں کو کچھ نہ کچھ دیتے ہیں جس کی وجہ سے ڈاکٹر دوائی اور ٹیسٹ کرنے کے لیے ان ہی کے پاس بھیجتا ہے تو ڈاکٹر کا یہ رقم لینا بھی رشوت ہے، جس کا لینا دینا دونوں ناجائز اور حرام ہے۔

﴿(٤) سرقه کی تفصیل﴾

سرقه کی تعریف :

(۱) هی أخذ الشئ من الغیر خفیة بغیر حق نصابا کان أم لا.(القاموس الفقهی ۱۷۱)

"ناحق طور پر کسی سے کوئی چیز اس طور پر لے لینا کہ مالک کو پتہ ہی نہ چلے"۔

وعن أبی هریرة رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال: لا یزنی الزانی حین یزنی وهو مؤمن ولا یشرب الخمر حین یشربها وهو مؤمن ولا یسرق السارق حین یسرق وهو مؤمن ولا ینتهب نهبة یرفع الناس إلیه أبصارهم فیها حین ینتهبها وهو مؤمن ولا یغل أحدکم حین یغل وهو مؤمن فإیاکم إیاکم.(مشکوۃ ۱۷،ط: قدیمی)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زنا کرنے والا جب زنا کرتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا، شراب پینے والا جب شراب پیتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا، چوری کرنے والا جب چوری کرتا ہے تو اس کا ایمان باقی نہیں رہتا، چھینا جھپٹی کرنے والا جب چھینا جھپٹی کرتا ہے تو لوگ اس کو (کھلم کھلا) چھینا جھپٹی کرتے ہوئے دیکھتے ہیں (لیکن خوف ودہشت کے مارے بے بس ہو جاتے ہیں اور چیخ وپکار کے علاوہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ پاتے) تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا، اس لیے تم ان گناہوں سے بچو"۔

سرقه کی مروجه صورتیں :

(۱) کسی کے گھر، دکان، دفتر اور جیب وغیرہ سے اس کی مملوکہ اشیاء اور نقد وغیرہ چپکے سے لے لینا۔

(۲) بجلی کی چوری۔

(۳) گیس کی چوری۔

(۴) ٹیلی فون کی چوری۔مثلاً ٹیلی فون کی لائنوں میں ناجائز کنکشن۔

(۵) وکیل کا زیادہ بل بنوانا اور کمیشن کے نام پر کچھ لینا۔مثلاً کسی نے کسی سے کہا کہ میرے لیے فلاں چیز لاؤ اور یہ شخص بازار سے وہ چیز ۱۰۰۰ روپے کی لائے لیکن مؤکل کو ۱۵۰۰ کی بتائے یا جیسے مختلف محکموں میں جو لوگ باہر سے کوئی چیز خرید کر لاتے ہیں تو اس کا زیادہ بل بنوا کر لاتے ہیں مثلاً ۱۰۰ روپے کا پٹرول خرید کر ۲۰۰ کی پرچی بنوانا، ۵۰۰ کی سی این جی ڈلوا کر ۶۰۰ کا بل بنوانا وغیرہ وغیرہ۔

(۶) پیٹرول، ڈیزل اور سی این جی اور اس قسم کی دیگر اشیاء مقدار سے کم دینا۔

(۷) مرکب اشیاء مثلاً خمیرہ، چائے، معاجین وغیرہ میں ناقص مال یا کم ڈالنا۔

چوری کی شرعی سزا کی تفصیل :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما جزاء بما كسبا نكالا من الله .[المائدة:۳۸]

ترجمہ : اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے سو ان دونوں کے (داہنے) ہاتھ (گٹے پر سے) کاٹ ڈالو ان کے کردار کے عوض بطور سزا کے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والے (جو سزا چاہیں مقرر فرمائیں) بڑی حکمت والے ہیں (کہ مناسب ہی سزا مقرر فرماتے ہیں)۔

اس آیتِ کریمہ میں چور کی سزا بیان ہوئی ہے، لہٰذا اگر کہیں اسلامی حکومت یا اسلامی قوانین نافذ ہوں اور چوری کی گئی چیز دس دراہم (۳۴٫۲ گرام چاندی) کے مساوی ہو

نیز مندرجہ ذیل شرائط بھی پائی جائیں تو اس کی شرعی سزا یہ ہے کہ اس (چور) کا دایاں ہاتھ گٹوں سے کاٹ دیا جائے۔ اگر دوبارہ اس فعل کا ارتکاب کرے تو بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

............لفظِ سرقہ کا لغوی مفہوم اور شرعی تعریف کیا ہے؟

قاموس میں ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا مال کسی محفوظ جگہ سے بغیر اس کی اجازت کے چھپ کر لے لے اس کو ''سرقہ'' کہتے ہیں، یہی اس کی شرعی تعریف ہے اور اس تعریف کی رو سے سرقہ ثابت ہونے کے لیے چند چیزیں ضروری ہوئیں:

اول یہ کہ وہ مال کسی فرد یا جماعت کی ذاتی ملکیت ہو، چرانے والے کی نہ اس میں ملکیت ہو، نہ ملکیت کا شبہہ ہو، اور نہ ایسی چیزیں ہوں جس میں عوام کے حقوق مساوی ہیں، جیسے رفاہِ عام کے ادارے اور ان کی اشیاء، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے کوئی ایسی چیز لے لی جس میں اس کی ملکیت یا ملکیت کا شبہہ ہے، یا جس میں عوام کے حقوق مساوی ہیں تو حدِ سرقہ اس پر جاری نہ کی جائے گی، حاکم اپنی صوابدید کے موافق تعزیری سزا جاری کرسکتا ہے۔

دوسری چیز تعریفِ سرقہ میں مالِ محفوظ ہونا ہے، یعنی مقفل (تالا شدہ) مکان کے ذریعے یا کسی نگران چوکیدار کے ذریعے محفوظ ہونا، جو مال کسی محفوظ جگہ پر نہ ہو اس کو کوئی شخص اٹھالے تو وہ بھی حدِ سرقہ کا مستوجب نہیں ہوگا اور مال کے محفوظ ہونے میں شبہ بھی ہو جائے تو بھی حد ساقط ہو جائے گی، گناہ اور تعزیری سزا کا معاملہ جدا ہے۔

تیسری شرط بلا اجازت ہونا ہے، جس مال کے لینے یا اٹھا کر استعمال کرنے کی کسی کو اجازت دے رکھی ہو وہ اس کو بالکل لے جائے تو حدِ سرقہ عائد نہیں ہوگی اور اجازت کا شبہہ بھی پیدا ہو جائے تو حد ساقط ہو جائے گی۔

چوتھی شرط چھپا کر لینا ہے، کیوں کہ دوسرے کا مال علانیہ لوٹا جائے تو وہ سرقہ نہیں بلکہ ڈاکہ ہے، جس کی سزا پہلے بیان ہوچکی ہے، غرض خفیہ نہ ہو تو حدِ سرقہ اس پر جاری نہ ہوگی۔

ان تمام شرائط کی تفصیل سننے سے آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ ہمارے عرف میں جس کو چوری کہا جاتا ہے وہ ایک عام اور وسیع مفہوم ہے، اس کے تمام افراد پر حدِ سرقہ یعنی ہاتھ کاٹنے کی سزا شرعاً عائد نہیں ہے، بلکہ چوری کی صرف اس صورت پر یہ حدِ شرعی جاری ہوگی جس میں یہ تمام شرائط موجود ہوں''۔(معارف القرآن ۳/۱۲۹)

ہاتھ کاٹنے کی شرائط نہ پائے جانے کی صورت میں چوری کا حکم:

واضح رہے کہ جن صورتوں میں چوری کی مندرجہ بالا شرائط موجود ہوں وہاں تو ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے لیکن چوری کی بہت ساری صورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جہاں چوری تو پائی جا رہی ہوتی ہے لیکن شرائطِ مقررہ میں سے کسی شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اِس شرعی سزا کا نفاذ نہیں ہوتا ایسی صورتوں کا حکم بیان کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

اس کے ساتھ ہی یہ بھی آپ معلوم کر چکے ہیں کہ جن صورتوں میں چوری کی حدِ شرعی ساقط ہو جاتی ہے تو یہ لازم نہیں ہے کہ مجرم کو کھلی چھٹی مل جائے بلکہ حاکمِ وقت اپنی صوابدید کے مطابق اس کو تعزیری سزا دے سکتا ہے جو جسمانی کوڑوں کی سزا بھی ہو سکتی ہے۔

اسی طرح یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ جن صورتوں میں سرقہ کی کوئی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے حدِ شرعی جاری نہ ہو تو وہ شرعاً جائز و حلال ہے کیوں کہ اوپر بتلایا جا چکا ہے کہ یہاں گناہ اور عذابِ آخرت کا ذکر نہیں دنیوی سزا اور وہ بھی خاص قسم کی سزا کا ذکر ہے، ویسے کسی شخص کا مال بغیر اسکی خوشدلی کے کسی طرح بھی لے لیا جائے تو وہ حرام اور عذابِ آخرت کا موجب ہے جیسے کہ آیتِ قرآنِ کریم **لا تاکلو اموالکم بینکم بالباطل** میں اس کی تصریح موجود ہے۔

(معارف القرآن ۳/۱۳۱)

﴿(۵) ڈاکہ زنی کی تفصیل﴾

قطع الطریق (ڈاکہ زنی) کی تعریف:

اما قطع الطريق فهو الخروج لاخذ المال على وجه المجاهرة في موضع لايلحق الماخوذ منه الغوث.

(الجوهرة النيرة ۲/۴۰۵، ط: قديمي جديد)

قوت اور طاقت کے بل بوتے پر کسی سے کوئی چیز ایسی جگہ سے چھین لینا جہاں اس کی مدد ممکن نہ ہو۔

ڈاکہ زنی کی مروجہ صورتیں:

(۱) بزورِ اسلحہ گھر والوں (رہائشیوں) کو یرغمال بنا کر گھر میں لوٹ مار کرنا۔

(۲) دکانیں لوٹنا۔

(۳) بینک ڈکیتیاں۔

(۴) گاڑیاں موٹر سائیکلیں چھیننا۔

(۵) موبائل چھیننا۔

(۶) راستوں اور سڑکوں پر لوگوں کو لوٹ کر ان سے نقدی اور قیمتی زیورات وغیرہ چھیننا۔

(۷) بسوں میں مسافروں کو یرغمال بنا کر ان سے لوٹ مار کرنا۔

(۸) بحری قزاقی یعنی سمندر میں لوٹ مار کرنا۔

(۹) بھتہ خوری، چاہے وہ چائے پانی یا کسی بھی نام سے ہو۔

(۱۰) زکوۃ، فطرہ، کھالیں اور قربانی کا گوشت وغیرہ کسی بھی نام سے زبردستی یا ڈنڈے کے زور سے وصول کرنا، جیسا کہ آج کل کی مختلف لسانی تنظیمیں اس طرح کرتی ہیں۔

ڈاکہ زنی کی شرعی سزا: ڈاکہ زنی ایسا جرم ہے جس کی سزا خود قرآن کریم میں موجود ہے اور ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے والا

اور فسادی کہا گیا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

انما جزاء الذین یحاربون الله ورسوله ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیهم وارجلهم من خلاف او ینفوا من الارض ذلک لهم خزی فی الدنیا ولهم فی الآخرة عذاب عظیم. [المائدة:۳۳]

''جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی دیے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں یا زمین پر سے نکال دیے جائیں یہ ان کے لیے دنیا میں سخت رسوائی ہے اور ان کو آخرت میں عذابِ عظیم ہوگا''۔

اس آیتِ کریمہ میں ڈاکو کی سزا بھی تفصیلاً بیان ہوئی ہے، لہٰذا اگر کہیں اسلامی حکومت یا اسلامی قوانین نافذ ہوں تو ایسے لوگوں کی سزا کی چار صورتیں ہیں:

(۱) اگر مال لیے بغیر گرفتار کر لیے جائیں تو انہیں قید کر لیا جائے یہاں تک کہ توبہ کر لیں۔

(۲) صرف مال لیا ہو اور وہ مال دس درہم (۳۴ء۲ گرام چاندی) کے مساوی یا اس کی مالیت کے برابر ہو تو دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے۔

(۳) اگر صرف قتل کیا ہو اور مال نہ لیا ہو تو ان کو بھی حداً قتل کیا جائے گا یعنی کسی کے معاف کرنے سے سزا معاف نہ ہوگی۔ (**بوجود الشرائط المعتبرة**).

(۴) مال بھی لیا ہو اور قتل بھی کیا ہو تو حاکم کو اس کی سزا میں تین اختیار ہیں:

(الف) صرف قتل کر دے۔

(ب) صرف سولی دے دے۔

(ج) ہاتھ پاؤں کاٹ کر قتل کر کے سولی پر چڑھا دے۔

شرعی سزاؤں کی اقسام اور تفصیلات :

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

''شریعتِ اسلام میں..........جرائم کی سزاؤں کی تین قسمیں قرار دی گئی ہیں:

(۱) حدود (۲) قصاص (۳) تعزیرات

ان تینوں قسموں کی تفصیل تعریف اور مفہوم سمجھنے سے پہلے یہ ایک بات جان لینا ضروری ہے کہ جن جرائم سے کسی دوسرے انسان کو تکلیف یا نقصان پہنچتا ہے اس میں مخلوق پر بھی ظلم ہوتا ہے اور خالق کی بھی نافرمانی ہوتی ہے، اس لیے ہر ایسے جرم میں حق اللہ اور حق العبد دونوں شامل ہوتے ہیں اور انسان دونوں کا مجرم بنتا ہے۔

لیکن بعض جرائم میں ''حق العبد'' کی حیثیت کو زیادہ اہمیت حاصل ہے اور بعض میں ''حق اللہ'' کی حیثیت زیادہ نمایاں ہے، اور احکام میں مدارِ کار اسی غالب حیثیت پر رکھا گیا ہے۔

.................اب سمجھیے کہ جن جرائم کی کوئی سزا قرآن وسنت میں متعین نہیں بلکہ حکام کی صوابدید پر رکھا ہے، ان سزاؤں کو شرعی اصطلاح میں ''تعزیرات'' کہا جاتا ہے اور جن جرائم کی سزائیں قرآن وسنت نے متعین کردی ہیں وہ دو قسم پر ہیں:

ایک وہ جن میں حق اللہ کو غالب قرار دیا گیا ہے، ان کی سزا کو ''حد'' کہا جاتا ہے جس کی جمع ''حدود'' ہے۔

دوسرے وہ جن میں حق العبد کو ازروئے شرع غالب مانا گیا ہے، اس کی سزا کو ''قصاص'' کہا جاتا ہے، قرآن کریم نے ''حدود وقصاص'' کا بیان پوری تفصیل وتشریح کے ساتھ خود کر دیا ہے، باقی ''تعزیری جرائم'' کی تفصیلات کو بیانِ رسول ﷺ اور حکامِ وقت کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے جن جرائم کی سزا کو بطورِ حق اللہ متعین کر کے جاری کیا ہے ان کو ''حدود'' کہتے ہیں اور جن کو بطورِ حق العبد جاری فرمایا ہے ان کو ''قصاص'' کہتے ہیں۔ اور جن جرائم کی سزا کا تعین نہیں فرمایا اس کو ''تعزیر'' کہتے ہیں، سزا کی ان تینوں قسموں کے احکام بہت سی چیزوں میں مختلف ہیں، جو لوگ اپنے عرفِ عام کی بنا پر ہر جرم کی سزا کو ''تعزیر'' کہتے ہیں اور

شرعی اصطلاحات کے فرق پر نظر نہیں کرتے ان کو شرعی احکام میں بکثرت مغالطے پیش آتے ہیں۔

تعزیری سزائیں حالات کے ماتحت ہلکی سے ہلکی بھی کی جاسکتی ہیں، سخت سے سخت بھی اور معاف بھی کی جاسکتی ہیں، ان میں حکام کے اختیارات وسیع ہیں اور حدود میں کسی حکومت یا کسی حاکم یا امیر کو ادنیٰ تغیر و تبدل یا کمی بیشی کی اجازت نہیں ہے، اور نہ زمان و مکان کے بدلنے کا ان پر کوئی اثر پڑتا ہے، نہ کسی امیر و حاکم کو اس کے معاف کرنے کا حق ہے، شریعتِ اسلام میں حدود صرف پانچ ہیں :

(۱) ڈاکہ (۲) چوری (۳) زنا (۴) تہمتِ زنا کی سزائیں۔

یہ سزائیں قرآنِ کریم میں منصوص ہیں۔

(۵) پانچویں شراب خوری کی حد ہے، جو اجماعِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہوئی ہے، اس طرح کل پانچ جرائم کی سزائیں معین ہوگئیں جن کو ''حدود'' کہا جاتا ہے، یہ سزائیں جس طرح کوئی حاکم اور امیر کم یا معاف نہیں کرسکتا اسی طرح توبہ کر لینے سے بھی دنیوی سزا کے حق میں معافی نہیں ہوتی ہاں آخرت کا گناہ مخلصانہ توبہ سے معاف ہو کر وہاں کا کھاتہ بیباق ہو جاتا ہے، ان میں سے صرف ڈاکے کی سزا میں ایک استثناء ہے کہ ڈاکو اگر گرفتاری سے قبل توبہ کرے اور معاملات سے اس کی توبہ پر اطمینان ہو جائے تو بھی یہ حد ساقط ہو جائے گی، گرفتاری کے بعد کی توبہ معتبر نہیں، اس کے علاوہ دوسری حدود توبہ سے بھی دنیا کے حق میں معاف نہیں ہوتیں خواہ یہ توبہ گرفتاری سے قبل سے ہو یا بعد میں، تمام تعزیری جرائم میں حق کے موافق سفارشات سنی جاسکتی ہیں، حدود اللہ میں سفارش کرنا بھی جائز نہیں، اور ان کا سننا بھی جائز نہیں، رسولِ کریم ﷺ نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے، حدود کی سزائیں عام طور پر سخت ہیں اور ان کے نفاذ کا قانون بھی سخت ہے کہ ان میں کسی کو کسی کمی بیشی کی کسی حال میں اجازت نہیں، نہ کوئی ان کو معاف کرسکتا ہے، جہاں سزا اور قانون کی یہ سختی رکھی گئی ہے وہیں معاملہ کو معتدل کرنے کے لیے تکمیلِ جرم اور تکمیلِ ثبوت جرم کے لیے شرطیں بھی نہایت کڑی رکھی گئی ہیں، ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو حد ساقط ہو جاتی ہے بلکہ ادنیٰ سا شبہہ بھی

ثبوت میں پایا جائے تو حد ساقط ہو جاتی ہے۔ اسلام کا مسلم قانون اس میں یہ ہے کہ ''**الحدود تندرء بالشبهات**''یعنی حدود کو ادنیٰ شبہہ سے ساقط کر دیا جاتا ہے۔

(معارف القرآن ۳/ ۱۷۷)

واضح رہے کہ جن صورتوں میں جرم کا ارتکاب تو ہو لیکن شرعی سزا جاری کرنے کی مکمل شرائط موجود نہ ہوں تو ایسی صورتوں میں مجرم کو کھلی چھوٹ نہیں دی جائے گی بلکہ اسلامی حکومت اور حاکمِ شرعی دیگر لوگوں کو اس کے شر سے بچانے کے لیے ایسے مجرم کو مناسب سزا بھی دے سکتا ہے، چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جن صورتوں سے حدِ شرعی کسی شبہہ یا کسی شرط کی کمی کی وجہ سے ساقط ہو جائے تو یہ ضروری نہیں کہ مجرم کو کھلی چھٹی مل جائے جس سے اس کو جرم پر اور جرأت پیدا ہو، بلکہ حاکم اس کے مناسبِ حال اس کو تعزیری سزا دے گا اور شریعت کی تعزیری سزائیں بھی عموماً بدنی اور جسمانی سزائیں ہیں جن میں عبرت انگیز ہونے کی وجہ سے انسدادِ جرائم کا مکمل انتظام ہے، فرض کیجیے کہ زنا کے ثبوت پر صرف تین گواہ ملے اور گواہ عادل ثقہ ہیں جن پر جھوٹ کا شبہہ نہیں ہو سکتا مگر از روئے قانونِ شرع چوتھا گواہ نہ ہونے کی وجہ سے اس پر حدِ شرعی جاری نہیں ہوگی، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کو کھلی چھٹی دے دی جائے بلکہ حاکمِ وقت اس کو مناسب تعزیری سزا دے گا جو کوڑے لگانے کی صورت میں ہوگی یا چوری کے ثبوت کے لیے جو شرائط مقرر ہیں ان میں کوئی کمی یا شبہہ پیدا ہونے کی وجہ سے اس پر حدِ شرعی ہاتھ کاٹنے کی جاری نہیں ہو سکتی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بالکل آزاد ہو گیا، بلکہ اس کو دوسری تعزیری سزائیں حسبِ حال دی جائیں گی۔

قصاص کی سزا بھی حدود کی طرح قرآن میں متعین ہیں کہ جان کے بدلے میں جان لی جائے، زخموں کے بدلے میں مساوی زخم کی سزا دی جائے لیکن فرق یہ ہے کہ حدود کو بحیثیت حق اللہ نافذ کیا گیا ہے، اگر صاحبِ حق انسان معاف بھی کرنا چاہے تو معاف نہ ہوگا اور حد ساقط نہ ہوگی مثلاً جس کا مال چوری کیا ہے وہ معاف بھی کر دے تو چوری کی شرعی سزا معاف نہ

ہوگی، بخلافِ قصاص کے کہ اس میں حق العبد کی حیثیت کو قرآن وسنت نے غالب قرار دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ قاتل پر جرمِ قتل ثابت ہو جانے کے بعد اس کو ولی مقتول کے حوالے کر دیا جاتا ہے وہ چاہے تو قصاص لے لے اور اس کو قتل کرادے اور چاہے معاف کر دے۔

اسی طرح زخموں کے قصاص کا بھی یہی حال ہے، یہ بات آپ پہلے معلوم کر چکے ہیں کہ حدود یا قصاص کے ساقط ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مجرم کو کھلی چھٹی مل جائے بلکہ حاکمِ وقت تعزیری سزا جتنی اور جیسی مناسب سمجھے دے سکتا ہے اس لیے یہ شبہہ نہ ہونا چاہیے کہ اگر خون کے مجرم کو اولیاءِ مقتول کے معاف کرنے پر چھوڑ دیا جائے تو قاتلوں کی جرأت بڑھ جائے گی اور قتل کی واردات عام ہو جائیں گی، کیوں کہ اس شخص کی جان لینا تو ولیِ مقتول کا حق تھا وہ اس نے معاف کر دیا، لیکن دوسرے لوگوں کے جانوں کی حفاظت حکومت کا حق ہے وہ اس حق کے تحفظ کے لیے اس کو عمر قید کی یا دوسری قسم کی سزائیں دے کر اس خطرے کا انسداد کر سکتی ہے۔(معارف القرآن ۳/ ۱۱۷ تا ۱۱۹)

کیا شرعی سزائیں وحشیانہ ، بہیمانہ اور ناقابلِ عمل ہیں؟

اہلِ مغرب اور ان کی تعلیم وتہذیب سے متأثر روشن خیالوں کی جانب سے .... خصوصاً عوام الناس میں تشویش پھلانے کے لیے ایک اعتراض بڑے شدومد سے کیا جاتا ہے کہ اسلامی سزائیں سخت ہیں اور بعض ناعاقبت اندیش تو یہ کہنے سے بھی نہیں چوکتے کہ یہ سزائیں وحشیانہ اور شرافتِ انسانی کے خلاف ہیں۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ وہ جرائم جن کی سزا شریعتِ اسلامیہ میں مقرر ہے اور جس میں کمی بیشی کا کسی کو اختیار نہیں، جنہیں ''حدود'' کہا جاتا ہے، وہ سزائیں صرف پانچ ہیں:

(۱) ڈاکو کی سزا (۲) چور کی سزا (۳) زنا کی سزا

(۴) زنا کی تہمت کی سزا (۵) شراب پینے کی سزا

ان پانچ جرائم کی سزاؤں کے علاوہ باقی سزائیں حاکمِ وقت کی صوابدید پر چھوڑی گئی ہیں جنہیں ''تعزیر'' کہا جاتا ہے اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ حاکمِ وقت جرم اور مجرم اور اس کے ماحول پر نظر کر کے جتنی اور جیسی چاہے سزا دے، پھر اس میں ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی خاص معیارات مقرر کر کے اس کو ملکی قانون بنادیا جائے اور تمام مملکت میں اس کو جاری کر دیا جائے جیسا کہ آج کل کی حکومتوں میں اسمبلیوں اور قانون ساز اداروں سے قانون منظور کروا کر انہیں جاری کر دیا جاتا ہے، لیکن مذکورہ بالا پانچ جرائم میں کسی حکومت اور کسی قانون ساز ادارے کو ردو بدل کا اختیار نہیں۔

پھر ان پانچ جرائم میں بھی بہت سی صورتیں ایسی پیش آسکتی ہیں جن میں سزا کے نفاذ کی شرائطِ شرعیہ نہ پائے جانے کی وجہ سے، یا کسی شبہہ کے آجانے کی وجہ سے وہ سزائیں ساقط ہوجاتی ہیں بلکہ حدود سے متعلق تو قاعدہ شرعیہ ہے: ''**الحدود تندرء بالشبهات** '' کہ حدود و قصاص شبہہ سے ساقط ہوجاتی ہیں، لہٰذا ایسی صورتوں میں تعزیری سزاؤں سے جرائم کی روک تھام ہوگی اور عرف و زمانے کے لحاظ سے ان میں تغیر و تبدل اور کمی بیشی کی جاسکتی ہے، لہٰذا اصل بحث اور اعتراض ان پانچ جرائم کی شرعی سزاؤں کے بارے میں ہے۔

مثلاً چوری کو لیا جائے تو اس کی شرعی سزا جاری کرنے میں یہ شرط ہے کہ محفوظ جگہ سے، سامانِ حفاظت توڑ کر، ناجائز طور پر خفیہ طریقے سے مال چرایا ہو، تو ان شرائطِ شرعیہ کا لحاظ کرنے سے بہت سی ایسی صورتیں جن کو عرفاً ''چوری'' کہا جاتا ہے، ''حدِّ سرقہ'' (چوری) کی تعریف سے نکل جاتی ہیں، مثلاً محفوظ مکان کی شرط سے عام پبلک مقامات مثلاً مسجد، عیدگاہ، پارک، کلب، اسٹیشن، انتظار گاہیں، جہازوں اور ریلوں کے اڈوں کی عام جگہوں پر رکھے ہوئے مال کی کوئی چوری کرے یا درختوں پر لگے ہوئے پھل چرالے یا شہد چوری کرے تو اس پر ''حدسرقہ'' جاری نہیں ہوگی۔ اسی طرح وہ شخص جس کو آپ نے اپنے گھر میں داخلے کی اجازت دے رکھی ہو مثلا مزدور، معمار یا کوئی دوست عزیز ہو اور وہ آپ کے مکان سے کوئی چیز لے جائے تو اگرچہ یہ عرفاً چوری ہے اور وہ تعزیری سزا کا مستحق ہے لیکن ہاتھ کاٹنے کی شرعی

حد اس پر جاری نہیں ہوگی۔اسی طرح کسی نے دوسرے کو دھوکہ دے کر کچھ وصول کرلیا یا امانت لے کر مکر گیا یا کفن چوری کرلیا تو یہ سب اشیاء بھی عرفاً چوری میں ضرور داخل ہیں لیکن شرعی سرقہ میں داخل نہیں لہٰذا کا اس پر اطلاق نہیں ہوگا۔

یہ شرائط وتفصیلات تو تکمیلِ جرم کے تحت ہیں اور تکمیلِ جرم کے ساتھ ساتھ دوسری چیز تکمیلِ ثبوت ہے اور حدود کے نفاذ میں شریعت نے ضابطۂ شہادت کو عام معاملات سے ممتاز اور محتاط بنایا ہے اس طور پر کہ زنا کے ثبوت کے لیے یہ شرط ہے کہ دو کے بجائے چار عینی گواہ ایسی گواہی دیں جس میں کوئی لفظ مشتبہ نہ رہے، اسی طرح عام معاملات کے برعکس حدود میں بجائے عورتوں کے صرف مردوں ہی کی گواہی کو ضروری قرار دیا گیا ہے، عام معاملات میں مدت گزر جانے کو کوئی عذر قرار نہیں دیا گیا واقعے کے کتنے عرصے بعد ہی گواہی دی جائے قبول ہے لیکن حدود میں اگر فوری گواہی نہ دی بلکہ ایک مہینہ یا اس سے دیر کر کے گواہی دی تو وہ قابلِ قبول نہیں۔

الحاصل ! اولاً: تو تمام جرائم میں سے صرف پانچ جرم ایسے ہیں جن کی سزا شریعت نے مقرر کردی ہے جس میں کسی حکومت یا ادارے کو کمی بیشی کا اختیار نہیں۔

ثانیاً : وہ جرائم جن کی سزا شریعت نے مقرر کردی ہے ان میں بھی ثبوتِ جرم اور تکمیلِ جرم کے لیے ایسی شرائط لگائی گئی ہیں جن کے نتیجے میں بہت سی ایسی صورتیں جو عرفاً تو جرم کہلاتی ہیں لیکن شرائطِ شرعیہ نہ پائے جانے کی وجہ سے ان پر شرعی سزا جاری نہیں کی جاسکتی بلکہ مجرم کو تعزیری سزا دی جائے گی جو حاکمِ وقت کی صوابدید پر ہوگی۔

لیکن جب کہیں تکمیلِ جرم تکمیلِ ثبوت کے ساتھ جمع ہوجائے گو وہ ایک فی صدی ہی ہو تو سزا نہایت سخت عبرت ناک دی جاتی ہے جس کی ہیبت لوگوں کے قلب و دماغ پر مسلط ہوجائے اور اس جرم کے پاس جاتے ہوئے بھی بدن پر لرزہ پڑنے لگے جو ہمیشہ کے لیے انسدادِ جرائم اور امنِ عامہ کا ذریعہ بنتی ہے بخلاف مروجہ تعزیری قوانین کے کہ وہ جرائم پیشہ لوگوں کی نظر میں ایک کھیل ہے جس کو وہ بڑی خوشی سے کھیلتے ہیں، جیل خانہ میں بیٹھے ہوئے

بھی آئندہ اس جرم کو خوبصورتی سے کرنے کے پروگرام بناتے رہتے ہیں، جن ممالک میں حدودِ شرعیہ نافذ کی جاتی ہیں ان کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو حقیقت سامنے آجائے گی کہ وہاں نہ آپ کو بہت سے لوگ ہاتھ کٹے ہوئے نظر آئیں گے نہ سالہا سال میں آپ کو کوئی سنگساری کا واقعہ نظر میں آئے گا مگر ان شرعی سزاؤں کی دھاک قلوب پر ایسی ہے کہ وہاں چوری، ڈاکہ اور بے حیائی کا نام نظر نہیں آتا، سعودی عرب کے حالت سے عام مسلمان براہِ راست واقف ہیں کیونکہ حج و عمرہ کے سلسلے میں ہر طبقہ و ہر ملک کے لوگوں کی وہاں حاضری رہتی ہے، دن میں پانچ مرتبہ ہر شخص یہ دیکھتا ہے کہ دکانیں کھلی ہوئی ہیں، لاکھوں کا سامان ان میں پڑا ہوا ہے اور ان کا مالک بغیر دکان بند کیے ہوئے نماز کے وقت میں حرم شریف پہنچ جاتا ہے اور نہایت اطمینان کے ساتھ نماز ادا کرنے کے بعد آتا ہے، اس کو کبھی یہ وسوسہ پیش نہیں آتا کہ اس کی دکان سے کوئی چیز غائب ہوگئی ہوگی، پھر یہ ایک دن کی بات نہیں عمر یونہی گزرتی ہے، دنیا کے کسی متمدن اور مہذب ملک میں ایسا کر کے دیکھیے تو ایک دن میں سینکڑوں چوریاں اور ڈاکے پڑ جائیں گے، تہذیبِ انسانی اور حقوقِ انسانی کے دعویدار عجیب ہیں کہ جرائم پیشہ لوگوں پر تو رحم کھاتے ہیں مگر پورے عالمِ انسانیت پر رحم نہیں کھاتے جن کی زندگی ان جرائم پیشہ لوگوں نے اجیرن بنا رکھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک مجرم پر ترس کھانا پوری انسانیت پر ظلم کرنے کا مرادف اور امنِ عامہ کو مختل کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے۔

معلوم ہوا کہ اسلامی حدود کے خلاف کرنے والے یہ چاہتے ہی نہیں کہ جرائم کا انسداد ہو، ورنہ جہاں تک رحمت و شفقت کا معاملہ ہے وہ شریعتِ اسلام سے زیادہ کون سکھا سکتا ہے؟ جس نے عین میدانِ جنگ میں اپنے قاتل دشمنوں کا حق پہچانا ہے اور حکم دیا ہے کہ عورت سامنے آجائے تو ہاتھ روک لو، مذہبی عالم جو تمہارے مقابلے پر قتال میں شریک نہ ہو اپنے طرز کی عبادت میں مشغول ہو اس کو قتل نہ کرو۔

اور سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ اسلامی سزاؤں پر اعتراض کرنے والے کے لیے وہ زبانیں اٹھتی ہیں جو دنیا میں مسلمانوں پر ہونے والے ظلم پر خاموش رہتی ہیں۔

(ملخصا از معارف القرآن ۳/۱۳۶)

﴿(٦) غصب کی تفصیل﴾

تعریف: عند الفقهاء اخذ مال متقوم محترم من يد مالكه بلا اذنه لا خفية. (كشاف اصطلاحات الفنون ١/٣٨٧،ط: دار احياء التراث العربى)

کسی مال یا چیز کو اس کے مالک سے بغیر اجازت علانیہ طور پر چھین لینا یا دبالینا۔

غصب پر وعیدات :

عن سعيد بن زيد قال : قال رسول الله ﷺ : من أخذ شبرا من الأرض ظلما فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين. متفق عليه .

(مشكوة ص: ٥٥، ط: قديمى)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص (کسی کی) بالشت بھر زمین بھی ازراہِ ظلم لے گا قیامت کے دن ساتوں زمینوں میں سے اتنی ہی زمین اس کے گلے میں بطور طوق ڈالی جائے گی۔

عن السائب بن يزيد عن أبيه عن النبى ﷺ قال : لا يأخذ أحدكم عصا أخيه لاعباً جاداً فمن أخذ عصا أخيه فليردها إليه . رواه الترمذى . (مشكوة ص: ٢٥٥، ط: قديمى)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے کسی بھائی کا عصا (لاٹھی) ہنسی مذاق میں اس مقصد سے نہ لے کہ وہ اس کو رکھ لے گا، جو شخص اپنے کسی بھائی سے عصا لے تو اسے واپس کر دینا چاہیے۔

عنه (سمرة) عن النبى ﷺ قال : على اليد ما أخذت حتى تؤدى.

رواه الترمذى وأبو داود وابن ماجه. (مشكوة ص: ٥٥، ط: قديمى)

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی سے لی گئی

چیز (لینے والے کے) ہاتھ کے اوپر (ذمے) ہے جب تک کہ وہ واپس نہ کر دی جائے۔

عن سالم عن أبيه قال : قال رسول الله ﷺ : من أخذ من الأرض شيئا بغير حقه خسف به يوم القيامة إلى سبع أرضين . رواه البخارى.(مشكوة ص:٥٦،ط:قديمى)

حضرت سالم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا کہ جو شخص زمین کا کوئی حصہ بھی ناحق لے گا (یعنی کسی کی زمین کا کوئی بھی قطعہ ازراہِ ظلم وزبردستی لے گا) تو قیامت کے دن اسے زمین کے ساتویں طبقے تک دھنسایا جائے گا۔

عن يعلى بن مرة قال : سمعت رسول الله ﷺ يقول : من أخذ أرضا بغير حقها كلف أن يحمل ترابها المحشر . رواه أحمد .

(مشكوة ص:٥٦،ط:قديمى)

حضرت یعلی بن مرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص زمین کا کوئی بھی حصہ ناحق (ازراہِ ظلم) لے گا اسے حشر کے دن اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس زمین کی (ساری) مٹی اپنے سر پر اٹھائے۔

وعنه قال : سمعت رسول الله ﷺ يقول : أيما رجل ظلم شبرا من الأرض كلفه الله عز و جل أن يحفره حتى يبلغ آخر سبع أرضين ثم يطوقه إلى يوم القيامة حتى يقضى بين الناس .رواه أحمد.(مشكوة ص:٥٦،ط:قديمى)

حضرت یعلی بن مرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص (کسی کی) بالشت بھر بھی زمین ازراہِ ظلم لے گا اسے (اس کی قبر میں) اللہ تعالیٰ اس بات پر مجبور کرے گا کہ وہ اس زمین کو ساتویں طبقۂ زمین تک کھودتا رہے اور پھر وہ زمین اس

کے گلے میں طوق بنا کر ڈالی جائے گی اور وہ قیامت تک اسی حال میں رہے گا تا آنکہ (قیامت کے دن) لوگوں کا حساب کتاب ہو جائے۔

غصب کا حکم :

کسی کا مال دبا لینا سخت گناہ ہے اور اس چیز کے مالک کو اس کی ادائیگی لازم ہے اور ادائیگی کی تین صورتیں ہیں:

(۱) اگر وہ چیز موجود ہو تو فی الفور وہ چیز واپس کرے۔

(۲) اگر وہ چیز موجود نہ ہو اور بازار میں بالکل اس جیسی دوسری چیز ملتی ہو (ذوات الامثال میں سے ہو) جیسے گندم، چنا وغیرہ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس جیسی چیز لے کر واپس کرے۔

(۳) وہ چیز موجود نہ ہو اور بازار میں بالکل اس کی طرح چیز بھی دستیاب نہ ہو (ذوات القیم میں سے ہو) تو اس کی موجودہ قیمت مالک کو ادا کرے۔

غصب کی مروجہ صورتیں :

(۱) کسی کی زمین پر ناجائز قبضہ کر لینا۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں:

(الف) لینڈ مافیا اور قبضہ گروپوں کے زمینوں پر ناجائز قبضے۔

(ب) بہنوں کو میراث میں سے ملنے والی زمین دبا دینا۔

(ج) مختلف سیاسی جماعتوں کا اپنی جماعت کی پشت پناہی کے بل بوتے پر لوگوں کی زمین ہتھیا کر اس پر ہاؤسنگ (رہائشی) اسکیمیں بنا لینا۔

(د) سرکاری زمین یعنی عام راستوں، گلیوں اور شاہراہوں پر قبضہ کر لینا یا اپنے مکان اور دکان کی مقررہ حدود سے تجاوز کرنا۔ جس کو آج کل عرفِ عام میں ''چائنا کٹنگ'' کہا جاتا ہے۔

(۲) کسی کی واجب الادا رقم دبا لینا۔

(۳) یتیموں کے مال کو دبالینا۔

(۴) بہنوں کو میراث میں سے ملنے والا حصہ (مال ہو یا زمین) دبالینا۔

(۵) امانت میں خیانت بھی ایک قسم کا غصب ہے، پھر اس کی مختلف صورتیں ہیں:

(الف) کسی کے پاس پیسے امانت رکھوائے اور اس نے بدوں اجازت وہ رقم استعمال کرلی۔

(ب) مضارب نے رب المال کی مخالفت کرتے ہوئے سرمایہ استعمال کیا اور مال ہلاک ہوگیا تو مضارب ضامن ہوگا کیونکہ امانت میں خیانت کی وجہ سے وہ غاصب کے حکم میں ہوا۔

(ج) گاڑی، موٹر سائیکل یا کوئی اور مشینری کسی کے پاس امانۃً رکھوائی اور اس نے بدوں اجازت اس کو استعمال کیا یہاں تک کہ وہ چیز ضائع ہوگئی۔

(٦) کسی کی مملوکہ اشیاء کو بدوں اس کی اجازت کے اس کے سامنے استعمال کرنا جبکہ وہ مروۃً کچھ نہ کہتا ہو اور دل سے خوش بھی نہ ہو جیسے ساتھیوں کا آپس میں ایک دوسرے کی اشیاء بلا اجازت استعمال کرنا الا یہ کہ صراحۃً یا دلالۃً اجازت ہو۔

(۷) کرایہ دار کا مالکِ مکان کو باوجود مطالبے کے مکان واپس نہ کرنا۔

(۸) بلا ٹکٹ ریل میں سفر کرنا بھی ایک قسم کا غصب ہے۔

(۹) مختلف سیکورٹی اداروں کا پوچھ گچھ یا تلاشی کے بہانے لوگوں سے قیمتی سامان اور نقدی لے لینا۔

(۱۰) پھل والوں یا مختلف ٹھیلے والوں یا مختلف دکانداروں سے اشیاء، معیار (کوالٹی) کو جانچنے کی غرض سے ان کی اجازت کے بغیر لے لینا یا کھالینا۔

﴿(۷) شرکتِ فاسدہ﴾

شرکت کی اقسام:

واضح رہے کہ شرکت کی ابتداءً دو قسمیں ہیں۔(۱) شرکتِ ملک (۲) شرکتِ عقد۔

شرکتِ ملک: دو یا زیادہ آدمیوں کا کسی چیز کا مالک بننا چاہے اختیاری طور پر ہو جیسے کچھ افراد پیسے ملا کر کوئی چیز خرید لیں تو اس چیز میں وہ شرکتِ ملک کے طور پر شریک ہوں گے، چاہے غیر اختیاری طور پر ہو جیسے ایک آدمی مرگیا تو اب اس کی جائیداد میں تمام ورثہ شریک ہوں گے۔

شرکتِ ملک کا حکم: شرکتِ ملک میں سرمائے کے تناسب سے نفع ونقصان کی تقسیم ضروری ہے یعنی جس شریک کا جتنا حصہ ہوگا اسی کے بقدر وہ نفع ونقصان میں شریک ہوگا نیز شرکتِ ملک میں کسی ایک شریک کو اجیر (ملازم) رکھنے کی بھی گنجائش ہے۔

شرکت ملک کی مروجہ جائز صورتیں:

(۱) وراثت میں ملنے والی جائیداد میں شرکت۔

(۲) وراثت میں ملنے والی زمین، مکان یا دکان سے حصے کے بقدر نفع وصول کرتے رہنا۔

(۳) کچھ افراد کا پیسے ملا کر کوئی مکان، دکان یا زمین خرید کر کرائے پر دے دینا۔

شرکت ملک کی مروجہ ناجائز صورتیں:

(۱) وراثت میں ملنے والی زمین، مکان یا دکان سے کسی شریک کا اپنے حصے سے زیادہ منافع وصول کرنا۔البتہ جو شریک دکان یا فیکٹری میں خدمات سرانجام دیتا ہے وہ اپنی خدمات کی الگ تنخواہ لے سکتا ہے۔

شرکتِ عقد: یعنی تجارتی شرکت جس سے مقصود نفع حاصل کرنا ہو۔

پھر شرکتِ عقد کی چار اقسام ہیں۔(۱) شرکتِ مفاوضہ۔(۲) شرکتِ عنان۔(۳) شرکتِ تقبل یا شرکتِ صنائع۔(۴) شرکتِ وجوہ۔

شرکتِ مفاوضہ: دو یا زیادہ آدمی آپس میں شرکت کا معاہدہ کریں اور سرمایہ، تصرفات اور نفع ونقصان سب میں برابر برابر ہوں، کم زیادہ نہ ہوں اور نفع کی تقسیم بھی

سرمائے کے مطابق ہو۔ جیسے زید، بکر اور خالد نے اپنا کل سرمایہ جو کہ ایک ایک لاکھ تھا جمع کر کے شرکت کی اور یہ طے بھی کیا کہ ہر ایک عمل بھی کرے گا اور ہر ایک کو نفع و نقصان میں ایک تہائی حصہ ملے گا۔ اس میں ہر ایک شریک دوسرے کا وکیل بھی ہوتا ہے اور کفیل (ضامن) بھی۔

شرکتِ عنان: دو یا زیادہ آدمی آپس میں شرکت کا معاہدہ کریں اور سرمایہ، تصرفات اور نفع و نقصان سب میں کم و بیش ہوں، برابر سرابر نہ ہوں۔ مثلاً زید، عمرو، بکر نے شرکت کی زید کا سرمایہ ایک لاکھ ہے اور عمرو کا دو لاکھ اور بکر کا تین لاکھ، اور نفع بھی اسی تناسب سے طے ہوا کہ بکر کو آدھا نفع ملے گا اور عمرو کو ایک تہائی حصہ ملے گا اور زید کو نفع کا چھٹا حصہ ملے گا۔

شرکتِ تقبل یا شرکتِ صنائع: دو یا زیادہ آدمی کسی عمل کی بنیاد پر آپس میں شرکت کر لیں، مثلاً دو درزی یا دو رنگریز آپس میں شریک بن کر لوگوں سے کام لیں اور نفع آپس میں حسبِ معاہدہ تقسیم کر لیں، اس کو شرکتِ صنائع بھی کہتے ہیں۔

شرکتِ وجوہ: شخصی وجاہت کی بنیاد پر شریک بن کر کاروبار کرنا جیسے دو آدمی جنہیں اکثر لوگ جانتے پہچانتے ہوں شریک بن کر جان پہچان کی بنیاد پر مارکیٹ سے ادھار مال خرید کر اس کو بیچیں اور نفع حسبِ ضمان تقسیم کریں۔

شرکتِ عنان کا بنیادی اصول: ہر وہ شرط جو قاطعِ شرکت فی الربح ہو یا مفضی الی الجہالۃ ہو (یعنی حاصل شدہ نفع میں صحیح طور پر شرکت سے مانع ہو) سے عقدِ شرکت فاسد ہو جاتا ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ عقدِ شرکت کا مقصود اور بنیاد یہ ہے کہ حاصل شدہ نفع فریقین میں حسبِ معاہدہ تقسیم ہو اور کوئی شریک نفع سے محروم نہ ہو لہٰذا ایسی شرط جو عقدِ شرکت کے اس بنیادی مقصد کے خلاف ہو اور اس میں کسی ایک شریک کے نفع سے محروم ہونے کا امکان و احتمال ہو، سے عقدِ شرکت فاسد ہو جاتا ہے اور ایسی شرط جو قاطعِ شرکت فی الربح ہو، ایک ہی ہے اور وہ ہے کسی ایک شریک کے لیے نفع میں سے کسی متعین مقدار کی شرط مثلاً ایک شریک یہ کہے کہ حاصل شدہ نفع میں سے مجھے پانچ ہزار روپے دینے ہوں گے یا یہ کہ مثلاً پانچ ہزار مجھے

دے دینا باقی سارا آپ کا ہے یا یہ کہ شریک کو ملازم رکھ کر اس کی علیحدہ پانچ ہزار تنخواہ مقرر کر لی جائے یا سرمایہ کے تناسب سے نفع مقرر کر لیا مثلاً ایک لاکھ پر دس ہزار روپے ملیں گے۔ ان تمام صورتوں میں یہ ممکن ہے کہ کل نفع ہی اتنا ہوا ہو جس سے یہ متعین مقدار پوری ہو سکے تو اس صورت میں سارا کا سارا نفع اس ایک کو ملے گا دوسرا شریک ہو جائے گا تو یہ شرط قاطع شرکت فی الربح ہے، اور اگر کوئی شرط شرکت کے اس بنیادی مقصد کے خلاف نہ ہو (قاطعِ شرکت فی الربح نہ ہو) تو وہ شرط خود فاسد ہو جائے گی یعنی قابلِ اعتبار نہ ہو گی البتہ خلافِ شرع شرط لگانے کا گناہ ہو گا، مثلاً عقدِ شرکت میں سارا نقصان کسی ایک شریک پر ڈالنے کی شرط لگا دی جائے۔

شرکتِ فاسدہ کا حکم : شرکتِ فاسدہ کا حکم یہ ہے کہ اس میں نفع رأس المال (اصل سرمایہ) کے تناسب سے تقسیم کیا جائے گا خواہ آپس کی طے کردہ شرحِ نفع کچھ بھی ہو، مثلاً اگر ایک کا سرمایہ ایک لاکھ ہو اور دوسرے کا تین لاکھ ہو اور نفع آدھو آدھ طے ہوا ہو تو شرکت فاسد ہو جانے کی صورت میں ایک لاکھ روپے سرمائے والے کو نفع میں سے ۱/۴ حصہ ملے گا اور بقیہ ۳/۴ نفع تین لاکھ سرمائے والے کو ملے گا۔ عام طور پر لوگ اس کا لحاظ نہ کرتے ہوئے طے شدہ شرحِ نفع سے ہی تقسیم پر مُصر ہوتے ہیں۔

شرکتِ فاسدہ کی مروجہ صورتیں :

(۱) چلتے ہوئے کاروبار میں شرکت کرنا۔

اگر شرکت چلتے ہوئے کاروبار میں ہو اور شرکت کرتے وقت کاروباری اثاثوں کی بازاری قیمت نہ لگائی جائے تو اس قسم کی شرکت نہ کسی مذہب میں جائز ہے اور نہ اس کے نفع کی تقسیم کا طریقہ بیان ہوا ہے۔ جیسا کہ آج کل اسلامی نامی بینکوں میں اسی قسم کی شرکت و مضاربت اسلام کے نام پر کی جاتی ہے۔

(۲) ایک جانب سے سرمایہ نقد اور دوسرے کی جانب سے کسی چیز کی منفعت ہونا۔

اگر شرکت میں ایک جانب سرمایہ نقد اور دوسری جانب سے کسی چیز کی منفعت ہے مثلاً ایک جانب سے ایک لاکھ روپے نقد ہوں اور دوسرے کی جانب سے گاڑی کی منفعت ہو تو یہ شرکت بھی درست نہیں۔ اس صورت کا حکم یہ ہے کہ کاروبار کا سارا نفع اصل سرمائے والے کا

ہوگا اور گاڑی والے کو اجرتِ مثل (بازاری اجرت) ملے گی۔

(۳) سرمائے کا بوقتِ شرکت حاضر وموجود نہ ہونا۔

اگر کسی شریک کا سرمایہ حاضر وموجود نہ ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک غائب شخص کا سرمایہ کاروبار میں شامل نہ ہوگا اسوقت تک تمام کاروبار حاضر سرمائے والے کا سمجھا جائے گا اور نفع نقصان کا تعلق بھی اسی سے ہوگا۔

اگر غائب سرمائے والا شخص اپنا سرمایہ حاضر کردے تو اس وقت چلتے کاروبار میں شرکت کی شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے عقدِ جدید کرنا ہوگا۔ اسلامی نامی بینک اپنے شرکت ومضاربت میں اس شرط کا بھی لحاظ نہیں رکھتے۔

(۴) سرمائے سے زائد کاروبار کرنا۔

سرمائے سے زائد کاروبار کرنے کی ۲/صورتیں ہیں:

(الف) دیگر شرکاء کی جانب سے اجازت نہ ہو۔

(ب) دیگر شرکاء کی جانب سے اجازت ہو۔

پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ زائد کاروبار کا نفع نقصان سارا کا سارا سرمائے سے زائد کاروبار کرنے والے کا ہوگا۔

اور اگر دیگر شرکاء کی جانب سے سرمائے سے زائد کاروبار کی اجازت ہو تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں:

(الف) سرمائے سے زائد کاروبار میں ضمان کی نسبت طے کی گئی ہو تو اسی کے تناسب سے نفع اور نقصان کا حساب ہوگا۔

(ب) سرمائے سے زائد کاروبار میں ضمان کی نسبت طے نہ کی گئی ہو تو چونکہ اس صورت میں ضمان آدھو آدھ ہوگا لہٰذا نفع نقصان کا حساب بھی آدھو آدھ ہوگا۔

مثلاً دو شریکوں نے پانچ پانچ لاکھ کا سرمایہ جمع کر کے عقد شرکت کیا اور شرح نفع غیر عمیل (جو کام نہ کرے) کے لیے تیس فیصد اور عمیل (کام کرنے والے شریک) کے لیے ستر فیصد طے ہوئی، اور غیر عمیل نے عمیل کو یہ اجازت بھی دی کہ آپ سرمایہ سے زائد دس لاکھ تک کاروبار

کر سکتے ہیں اور اس اضافی دس لاکھ کے کاروبار میں سے چار لاکھ کا ضمان مجھ پر ہوگا اور چھ لاکھ کا ضمان آپ پر اور عمیل اس پر راضی بھی ہوا، تو اس صورت میں اصل کاروبار کے منافع تیس اور ستر فیصد کے تناسب سے تقسیم ہوں گے اور زائد کاروبار کے منافع چالیس اور ساٹھ فیصد کی نسبت سے تقسیم ہوں گے، اور نقصان کی صورت میں اصل عقد شرکت کا نقصان تو شرکاء پر سرمایہ کے تناسب سے ہوگا جبکہ اس زائد کاروبار کا نقصان چالیس اور ساٹھ فیصد کے تناسب سے آئے گا، اسی طرح اگر غیر عمیل نے زائد کاروبار کے پورے ضمان کو اپنے ذمہ لے لیا تو اس زائد کاروبار کا پورا نفع و نقصان دونوں صرف اسی کے ہوں گے۔ اگر انھوں نے ضمان کی نسبت طے نہیں کی تو اصل کاروبار کے منافع تو تیس اور ستر فیصد کے تناسب سے تقسیم ہوں گے اور نقصان سرمایہ کے تناسب سے، جبکہ اس زائد کاروبار کے نفع اور نقصان دونوں برابر برابر ہوں گے۔

تنبیہ: زائد کاروبار کی تمام صورتوں میں زائد کاروبار کا حساب اصل سرمائے کے کاروبار سے الگ رکھنا ضروری ہے۔ نام نہاد اسلامی بینکوں میں اس شرط کی بھی مخالفت ہوتی ہے۔

(۵) ماضی کی مروجہ تجارتی کمپنیوں کی نام نہاد شرکت ومضاربت۔ جیسے دادا بھائی، ٹی جے ابراہیم، ایل ایم سی، الیگزر وغیرہ مروجہ تجارتی کمپنیاں جو بظاہر اسلامی شرکت ومضاربت کی دعویدار تھیں لیکن ان کا طریقہ کار ''شرعی شرکت ومضاربت'' سے کوسوں دور تھا۔ بلکہ محض رقوم کو ہاتھوں میں گھمانا اور ایک کا مال دوسرے کو کھلانا تھا۔

(۶) گھاس، لکڑی، مچھلی وغیرہ مباحات میں شرکت جائز نہیں، مثلاً دو آدمی آپس میں معاہدہ کریں کہ دونوں مل کر یہ چیزیں جمع کریں گے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جو ہر ایک نے جمع کیا ہے وہ اسی کی ملکیت ہے اگر کسی نے دوسرے سے کم جمع کیا ہے تو اس کو یہ حق نہیں کہ دوسرے سے یہ مطالبہ کرے کہ اپنی لکڑیوں وغیرہ میں سے مجھے بھی حصہ دو، البتہ اگر ایک جگہ جمع کرنے کی وجہ سے امتیاز (جدا کرنا) مشکل ہو تو پھر آدھا آدھا تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۷) دو آدمی اس طرح شرکت کریں کہ ایک شخص کا جال ہو اور دوسرا شخص شکار کرے اور مچھلیوں/ پرندوں میں شرکت کریں۔

﴿(۸) مضاربتِ فاسدہ﴾

مضاربت کی تعریف : عقدِ مضاربت دو شخصوں کے درمیان ایسے معاہدے کو کہا جاتا ہے جس میں ایک جانب سے سرمایہ اور دوسری جانب سے محنت ہو اور پھر حاصل ہونے والا نفع دونوں کے مابین حسبِ معاہدہ تقسیم کیا جاتا ہو۔

اب اگر دونوں جانب سے مال (سرمایہ) ہو تو پھر یہ عقدِ مضاربت نہیں ہوگا، بلکہ عقدِ شرکت ہوگا۔ اسی طرح اگر حاصل ہونے والا نفع پورا کا پورا صاحبِ سرمایہ (رب المال) کے لئے مشروط کر دیا گیا ہو تو یہ بضاعت یعنی رب المال کے لیے مفت میں کام کرنا ہوگا عقدِ مضاربت نہ ہوگا اور اسی طرح اگر پورا نفع صاحبِ محنت (مضارب) کے لئے مشروط کر دیا گیا ہو تو یہ قرض ہوگا اور عقدِ مضاربت نہیں ہوگا۔

قاعدہ : ہر وہ شرط جو قاطع شرکت فی الربح ہو یا اس سے ربح میں جہالت آتی ہو یا مضارب کے سرمائے میں مکمل تصرف سے مانع بنتی ہو، سے عقدِ مضاربت فاسد ہو جاتا ہے۔

قاطعِ شرکت فی الربح شرط کی مثال: مضارب یا رب المال اپنے لیے متعین نفع کی شرط لگا دے کہ نفع میں سے روزانہ پانچ سو روپے یا ماہانہ دس ہزار روپے مجھے دینے ہوں گے یا رب المال مضارب سے کہے کہ اِس سرمائے سے بوتلیں خریدو اور ہر بوتل پر پانچ روپے نفع مجھے دینا ہوگا۔

ربح میں جہالت والی شرط کی مثال: قرعہ اندازی سے نفع تقسیم کرنا اس طور پر کہ یہ طے کیا جائے کہ نفع کی تقسیم میں قرعہ اندازی کریں گے جس کے نام کی جتنی پرچیاں نکلیں اس کے نفع میں اتنے حصے ہوں گے۔

سرمائے میں مکمل تصرف سے مانع ہونے کی مثال: رب المال عقدِ مضاربت کے ساتھ ساتھ خود بھی کام کرنے کی شرط لگا دے۔ جیسے ایک آدمی نے دوسرے سے کہا کہ آپ سعودی عرب سے مال پسند کر کے سودا کر لو میں یہاں وصول کر لوں گا اور پیسے اس کو نہ دے۔ یا کسی کو کپڑے کے کاروبار کے لیے پیسے دے اور یہ کہے کہ

آپ دکان میں بیٹھ جائیں، سپلائی (ترسیل) کا کام میں کرلوں گا۔

مضاربتِ فاسدہ کا حکم :

اگر مضاربت کسی وجہ سے فاسد ہوجائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ نفع ونقصان سارا کا سارا رب المال کا ہوگا اور مضارب کو اجرِ مثل (بازاری اجرت) ملے گی لیکن اس شرط پر کہ وہ اجرِ مثل باہم طے شدہ تناسبی نفع سے زیادہ نہ ہواور اگر نفع بالکل نہ ہوا ہوتو راجح قول کے مطابق اس کو اجرِ مثل ملے گا بالغاً مابلغ (جتنا بھی بنتا ہو)۔

مضاربتِ فاسدہ کی مروجہ صورتیں :

(۱) نقد سرمائے کے بجائے سامان وغیرہ دے کر مضاربت کرنا۔

اگر کسی نے مضارب کو سرمایہ نقد دینے کے بجائے عروض اور سامان کی شکل میں دیا اور دیتے وقت اثاثوں کی بازاری قیمت بھی نہ لگائی مثلاً کسی نے اپنی دکان کسی کو مضاربت پر دے دی اور دیتے وقت دکان میں موجود سامان کی بازاری قیمت لگا کر اس کو سرمایہ نہیں بنایا۔

اس کا حکم یہ ہے کہ مضاربت کی یہ صورت نہ کسی مذہب میں جائز ہے اور نہ اس کے نفع کی تقسیم کا طریقہ بیان ہوا ہے۔

اس کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ دکان کا پورا سامان فروخت ہونے تک اس کو تنخواہ پر رکھے اور جب تمام اثاثے نقد میں تبدیل ہوجائیں تو اس کو سرمایہ بنا کر مضاربت کرلیں (عندالاحناف) نیز یہ بھی جائز ہے کہ اثاثوں کے رہتے ہوئے ان کی بازاری قیمت لگا کر اس کو سرمایہ بنایا جائے، جیسے مالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک روایت ہے۔

(۲) مضاربت میں رأس المال دَین (قرض) ہو۔

مثلاً بعض لوگ آج کل یوں معاملہ کرتے ہیں کہ ایک شخص دوسرے سے یہ کہتا ہے کہ آپ کے ذمہ جو میرا قرض ہے اس میں مضاربت کرلو۔

اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اس صورت میں مضاربت منعقد ہی نہ ہوگی اور مقروض ان

پیسوں سے جو بھی کاروبار کرے گا اس کے نفع نقصان کا تعلق اسی سے ہوگا اور قرض خواہ کا قرضہ بدستور واجب الاداء رہے گا۔ لیکن اگر قرضہ کسی دوسرے پر ہو اور رب المال مضارب سے یہ کہہ دے کہ فلاں شخص سے میری جانب سے قرضہ وصول کرلو اور پھر اس رقم سے بطور مضاربت کاروبار کرو تو یہ صورت جائز ہے اور مضاربت درست ہوگی۔

(۳) رب المال نے مضارب کو کاروبار کے لیے سرمایہ دیا لیکن مضارب نے کاروبار میں نہیں لگایا، پھر اس کی دو صورتیں ہیں:

(الف) مضارب نے پورا سرمایہ اپنے ذاتی کاموں میں خرچ کیا اور اس رقم سے کوئی کمائی نہیں کی البتہ اپنی طرف سے رب المال کو نفع کے نام سے کچھ دیتا رہا۔

اس کا حکم یہ ہے کہ مضارب اس خیانت کی وجہ سے گنہگار ہے اور سرمائے کا ضامن ہے اور اس پر واجب ہے کہ اس گناہ سے توبہ کرے اور رب المال کو پورا سرمایہ واپس کرے۔

رب المال کو اگر اس خیانت کا علم ہے تو اس کے لیے نفع کے نام سے رقم لینا ناجائز، حرام اور سود ہے اور علم نہ ہونے کی صورت میں معذور ہے۔

(ب) رب المال نے جس کاروبار کا کہا تھا اس میں رقم نہ لگائی بلکہ کسی اور کاروبار میں رقم لگائی۔

اس صورت میں نقصان سارا کا سارا مضارب کا ہوگا اور نفع بھی اگر ہوا ہے تو خبث کی وجہ سے حرام ہے، لہٰذا جتنا نفع ہوا ہے اصل سرمائے کے ساتھ ساتھ وہ بھی لوٹانا ہوگا۔

(۴) مضارب کا دیے گئے سرمائے سے زائد کاروبار کرنا۔

سرمائے سے زائد کاروبار کرنے کی دو صورتیں ہیں:

(الف) رب المال کی جانب سے اجازت نہ ہو۔

(ب) رب المال کی جانب سے اجازت ہو۔

پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ زائد کاروبار کا نفع اور نقصان سارا کا سارا مضارب کا ہوگا۔

اور اگر رب المال کی جانب سے اصل سرمائے سے زائد کاروبار کی اجازت ہو تو بھی اس کی دو صورتیں ہیں:

(الف) سرمائے سے ائد کاروبار میں ضمان کی نسبت طے کی گئی ہو تو اسی کے تناسب سے نفع اور نقصان کا حساب ہو گا۔

(ب) اصل سرمائے سے زائد کاروبار میں ضمان کی نسبت طے نہ کی گئی ہو تو چونکہ اس صورت میں ضمان آدھو آدھ ہوگا لہٰذا نفع نقصان کا حساب بھی آدھو آدھ ہوگا۔

مثلاً رب المال نے مضارب کو دس لاکھ کا سرمایہ دے کر عقد مضاربت کیا اور شرح نفع رب المال کے لیے تیس فیصد اور مضارب کے لیے ستر فیصد طے ہوئی، اور رب المال نے مضارب کو یہ اجازت بھی دی کہ آپ سرمایہ سے زائد دس لاکھ تک کاروبار کر سکتے ہیں اور اس اضافی دس لاکھ کے کاروبار میں سے چار لاکھ کا ضمان مجھ پر ہوگا اور چھ لاکھ کا ضمان آپ پر اور مضارب اس پر راضی بھی ہوا، تو اس صورت میں اصل کاروبار کے منافع تیس اور ستر فیصد کے تناسب سے تقسیم ہوں گے اور زائد کاروبار کے منافع چالیس اور ساٹھ فیصد کی نسبت سے تقسیم ہوں گے، اور نقصان کی صورت میں اصل عقد مضاربت کا نقصان تو فقط رب المال کے ذمے آئے گا جبکہ اس زائد کاروبار کا نقصان چالیس اور ساٹھ فیصد کے تناسب سے رب المال اور مضارب دونوں پر آئے گا، اسی طرح اگر رب المال نے زائد کاروبار کے پورے ضمان کو اپنے ذمہ لے لیا تو اس زائد کاروبار کا پورا نفع ونقصان دونوں صرف اسی کے ذمہ ہوگا۔ اگر انہوں نے ضمان کی نسبت طے نہیں کی تو اصل عقدِ مضاربت کے منافع تو تیس اور ستر فیصد کے تناسب سے تقسیم ہوں گے اور نقصان فقط رب المال پر آئے گا جبکہ اس زائد کاروبار کے نفع اور نقصان دونوں برابر برابر ہوں گے۔

تنبیہ: اصل سرمائے سے زائد کاروبار کرنے کی تمام صورتوں میں زائد کاروبار کا حساب الگ رکھنا ضروری ہے۔

(۵) مضاربت میں نفع متعین کرنا کہ مثلاً لاکھ پر تین ہزار یا چار ہزار نفع ملے گا۔

(٦) مضارب کا یہ کہنا کہ فلاں چیز اتنے مثلاً ستر روپے پر بکتی ہے اس میں پانچ روپے نفع آپ کا اور پندرہ روپے میرے ہوں گے۔

﴿(۹) بیوعِ فاسدہ﴾

بیع فاسد کی تعریف: ہر وہ بیع جو اپنی اصل (بنیاد) اور ارکان کے اعتبار سے صحیح ہو لیکن اس میں کسی وصف یا کسی شرط کی وجہ سے فساد آ جائے۔

بیع فاسد اور باطل کا ضابطہ :

بیع کے اصل ارکان یہ ہیں کہ دونوں جانب سے مال کا تبادلہ ہو اور ایجاب وقبول بھی مکلّف آدمی کی جانب سے ہوں لہٰذا ان بنیادی ارکان کے پائے جانے سے عقدِ بیع اصل کے اعتبار سے وجود میں آ جائے گا، لیکن اگر انہی بنیادی ارکان میں خرابی پائی جائے گی تو بیع سرے سے ہی منعقد نہ ہوگی چاہے ظاہری طور پر عقدِ بیع کیوں نہ کر لیا جائے، اس کو ''بیع باطل'' کہتے ہیں۔ جیسے مردار اور خون کی خرید وفروخت۔

بیع باطل کا حکم یہ ہے کہ دونوں جانب کے عوض پر کسی کی ملکیت نہیں آتی اگر چہ قبضہ کر لیا جائے۔

اور اگر بیع کے بنیادی ارکان تو پائے جائیں لیکن اس میں کوئی وصف فاسد ہو مثلاً ثمن یا مبیع مجہول ہو یا مقتضائے عقد کے خلاف کوئی شرط لگا دی جائے اور اس میں احد المتعاقدین کا نفع ہو، مثلاً یہ کہ میں آپ کو اپنی کتاب بیچ رہا ہوں لیکن اس شرط پر کہ آپ مجھے سو روپے قرض دیں گے یا یہ کہ میں گاڑی آپ کو فروخت کر رہا ہوں لیکن اس شرط پر کہ گاڑی ایک مہینے تک میں چلاؤں گا تو یہ بیع فاسد ہے۔

بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ جانبین پر لازم ہے کہ اس بیع کو ختم کریں اور وجہِ فساد کو ختم کر کے نئے سرے سے دوبارہ بیع کریں تاہم قبضہ کر لینے سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور مشتری کے آگے بیچ لینے سے بیع منعقد ہو جاتی ہے لیکن اگر نفع پر بیچا تو یہ نفع حرام اور واجب التصدق ہوگا۔

بیع فاسد کی تفصیل :

بیع فاسد میں دو وجہ سے فساد آتا ہے:

(۱) وصف غیر مشروع کا پایا جانا۔

(۲) خلافِ شرع شرط لگانا۔

غیر مشروع وصف و شرط کی صورتیں:

(۱) مبیع مجہول ہو ایسی جہالت کے ساتھ جو مفضیہ الی النزاع ہو، جیسے بکری کے پیٹ کا حمل فروخت کرنا۔

(۲) ثمن مجہول ہو، جیسے کسی چیز کو یہ کہہ کر فروخت کرنا کہ ''جتنے پیسے بنتے ہوں دے دینا'' اور وہ چیز ایسی ہو جس کی قیمت بازار میں متعارف نہ ہو۔

(۳) مبیع حوالے کرنے پر قادر نہ ہو جیسے ہوا میں پرندوں کی بیع کرنا یا قبضے میں چیز کے آنے سے قبل اسے آگے فروخت کر دینا۔

خلافِ شرع شرط کی صورتیں:

(۱) بلا تعجیل تعیین مدت کا اس طرح کے اختیار اور پسند کی شرط لگانا، مثلاً یہ کہنا کہ یہ گاڑی میں خرید رہا ہوں لیکن مجھے عمر بھر اختیار ہوگا کہ میں جب چاہوں بیع کو نافذ کر کے اختیار ختم کروں یا بیع کو توڑ کر گاڑی واپس لے لوں۔

(۲) خریدار کے لیے ہمیشہ کی شرط لگانا، مثلاً یہ کہنا کہ یہ گھر میں آپ کو بیچ رہا ہوں اور آپ کو اختیار ہے زندگی بھر کے لیے کہ خریدیں یا نہ خریدیں جب بھی پسند آ جائے پیسے دے دیں ورنہ واپس کر دیں۔

(۳) بائع کا وقت کی تعیین کے بغیر خیار کی شرط لگانا، مثلاً یہ چیز میں آپ کو بیچ رہا ہوں لیکن مجھے بیچنے یا نہ بیچنے کا اختیار ہے۔

(۴) کسی مجہول وقت کے ساتھ خیار لگانا، جیسے یہ کہنا کہ میں یہ گاڑی آپ کو بیچ رہا

ہوں اور موسمِ بہار تک آپ کو لینے یا نہ لینے کا اختیار ہے۔

(۵) کسی ایسی چیز کا استثناء کرنا جو مبیع کا ہی حصہ ہو اور اس کو جدا کر دینے سے مبیع اپنی اصلی حالت میں برقرار نہ رہے، جیسے بھیڑ، بکری کے حمل کا استثناء کرنا یا جانور سر یا پاؤں کے بغیر فروخت کرنا۔

(۶) کوئی ایسی شرط لگانا جس میں بائع کا نفع ہو، مثلاً بائع کا مشتری پر یہ شرط لگانا کہ مجھے اتنا قرض دو گے تو یہ چیز تمہیں بیچوں گا ورنہ نہیں۔

(۷) کوئی ایسی شرط لگانا جس میں مشتری کا نفع ہو (بشرطیکہ اس کے جواز کی کوئی وجہ نہ ہو جس کی تفصیل آگے تنبیہات کے ذیل میں آ رہی ہے) مثلاً مشتری یہ شرط لگائے کہ میں آپ سے مکان اس شرط پر خریدوں گا کہ آپ اپنی موٹر سائیکل ایک ماہ تک مجھے چلانے کے لیے دو گے۔

(۸) اپنے اوپر سے ضرر دور کرنے کی شرط لگانا بھی نفع کی ایک صورت ہے (یعنی جلبِ منفعت کی مانند دفعِ مضرۃ بھی نفع کی ایک صورت ہے)، مثلاً بائع مشتری سے یہ کہے کہ میں آپ کو گاڑی اس شرط پر بیچوں گا کہ اس گاڑی کا ثمن میرے قرضدار کو ادا کرنا ہوگا۔ اس شرط کے ذریعے بائع چونکہ اپنے آپ کو ادائیگیِ قرض کے ضرر اور مشقت سے بچا رہا ہے اس طور پر کہ قرض کی ادائیگی میں بسا اوقات کافی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے کہ بعض لوگ تو قرض کی وصولی میں اچھے سلوک کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن بہت سے لوگ کافی ترش روئی سے بھی پیش آتے ہیں۔

(۹) ایسی شرط لگانا جس میں کسی کا نفع تو نہ ہو مگر کسی ایک فریق کا ضرر ہو اور یہ شرط بھی محض وعدہ کے درجہ میں نہ ہو بلکہ بیع ہی اس شرط پر موقوف کی گئی ہو اور اس شرط کے ایفاء پر مجبور بھی کیا جاتا ہو۔

اس شرط کے متعلق فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات میں موجود ہے کہ یہ شرط قابلِ

اعتبار نہیں اور اس کی وجہ سے عقد فاسد نہیں ہوتا لیکن آج کل کے عرف میں چونکہ اس شرط کے نبھانے پر مجبور کیا جاتا ہے لہٰذا یہ شرط بھی ''مفضی الی النزاع'' ہونے کی وجہ سے مفسدِ عقد ہونی چاہیے۔ مثلاً قسطوں پر گاڑیوں کا کاروبار کرنے والے گاڑی قسطوں پر فروخت کر کے یہ شرط لگادیتے ہیں کہ گاڑی آگے نہیں بیچو گے اور اسی وجہ سے گاڑی کے کاغذات بھی روک لیے جاتے ہیں۔

تنبیہ : شروط کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جن کے لگانے سے عقدِ فاسد نہیں ہوتا اور وہ قابلِ اعتبار ہوتی ہیں۔

(۲) وہ شروط جن کی وجہ سے عقد فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط خود فاسد اور ناقابلِ اعتبار ہوجاتی ہے۔

پہلی قسم کی شروط :

(۱) ایسی شرط جس میں بائع یا مشتری کا نفع تو ہو لیکن عقدِ بیع اس کا تقاضا کرتا ہو (یعنی عقدِ بیع کے بنیادی مقصد کے مطابق ہو) مثلاً مشتری بائع پر یہ شرط لگادے کہ میں یہ چیز آپ سے خرید رہا ہوں لیکن اس شرط پر کہ یہ چیز آپ مجھے حوالے کرو گے یا بائع مشتری پر یہ شرط لگادے کہ آپ مجھے ثمن حوالے کریں گے۔

(۲) ایسی شرط جس میں بائع یا مشتری کا نفع بھی ہو اور وہ شرط مقتضائے عقد کے بھی خلاف ہو لیکن وہ شرط عقدِ بیع کے مناسب ہو مثلاً بائع کا اپنے ثمن کے تحفظ کے لیے مشتری پر رہن یا کفیل دینے کی شرط لگادینا۔

(۳) ایسی شرط جس میں بائع یا مشتری کا نفع ہو اور وہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف بھی ہو اور نہ ہی عقد کے مناسب ہو لیکن اس کے جواز پر نص یعنی شرعی دلیل موجود ہو جیسے بیع میں یہ شرط لگادینا کہ ثمن ایک ماہ بعد دوں گا یا خیار کی شرط لگادینا۔

(۴) ایسی شرط جس میں مذکورہ بالا تینوں امور ہوں لیکن اس شرط پر تعامل جاری ہو جیسے کتب یا سودا سلف وغیرہ اس شرط پر خریدنا کہ آپ پیک کر کے دو گے۔

دوسری قسم کی شروط :

کچھ شروط ایسی بھی ہیں جنہیں اگر عقدِ بیع میں لگا بھی دیا جائے تو بھی وہ نا قابلِ اعتبار ہو کر خود ہی ساقط ہو جاتی ہیں اور عقد بدستور صحیح رہتا ہے۔ ایسی شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ایسی شرط لگانا جس میں شرط لگانے والے کا نفع ہو نہ ضرر، جیسے بائع کا مشتری پر یہ شرط لگانا کہ میں یہ غلہ اس شرط پر فروخت کر رہا ہوں کہ آپ اس کو کھائیں گے یا کپڑا اس شرط پر فروخت کرنا کہ مشتری اس کو پہنے گا۔

(۲) ایسی شرط جو محض وعدہ کی حد تک ہو، اس کا حکم بھی یہ ہے کہ عقد صحیح ہو جائے گا اور شرط کے پورا کرنے کا اختیار ہوگا البتہ پورا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا جیسے گھر اس شرط پر فروخت کرنا کہ آپ اس میں رہائش اختیار کرو گے۔

عقود فاسدہ سے ہونے والی آمدنی کا حکم :

تمام عقودِ فاسدہ (بیوعِ فاسدہ، شرکت و مضاربتِ فاسدہ، اجارہ فاسدہ) سے حاصل ہونے والی آمدنی بحکمِ سود، ناجائز اور حرام ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ فاسد معاملہ میں جو وصفِ فاسد یا شرطِ فاسد لگا کر احد المتعاقدین اعتباری طور پر جو نفع اور سہولت حاصل کرتے ہیں وہ زائد از عوض ہوتی ہے اور جو چیز عقد میں معاوضہ اور بدلہ سے خالی ہو، سود کہلاتی ہے۔

لہٰذا ایسی آمدنی کا استعمال جائز نہیں اگر کسی کے پاس ایسی آمدنی آجائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اولاً اصل مالک کو لوٹا دے، اگر اصل مالک کو لوٹانا ممکن نہ ہو تو بلا نیتِ ثواب صدقہ کر دے۔

بیوعاتِ فاسدہ و باطلہ کی مروجہ صورتیں :

(۱) مکانات اور بنگلوں کو آج کل لوگ اقساط پر اس طرح بیچتے ہیں کہ جب تمام اقساط یا اکثر اقساط وصول ہو جائیں تو قبضہ دیں گے تو یہ بیع فاسد ہے۔

(۲) مختلف سوسائٹیوں میں جیسے بحریہ ٹاؤن، مہران ٹاؤن وغیرہ میں پلاٹ بیچنا بیع فاسد ہے کیوں کہ یہ سب اس شرط پر بیچتے ہیں کہ مبیع (پلاٹ) بوقتِ بیع حوالے نہیں کریں گے بلکہ تمام یا اکثر اقساط مکمل کرنے پر حوالے کیا جائے گا۔

(۳) صرف پلاٹوں کے فائلز و کاغذات وغیرہ بیچنا، جیسے گوادر کی زمینوں کی فائلیں لوگ بیچتے تھے اور آج کل بحریہ ٹاؤن وغیرہ سوسائٹیوں کی فائلیں لوگ بیچتے ہیں۔

(۴) مکانات بنوا کر بیچنا، مثلاً بعض سوسائٹیاں مکانات اس طرح فروخت کرتی ہیں کہ خالی پلاٹ پر ہم تمہیں اتنی قیمت پر اتنے سالوں میں مکان بنا کر دیں گے اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ استصناع میں داخل اور جائز ہے جبکہ اس میں استصناع کی شرائط نہ ہونے کی وجہ سے نہ اس میں داخل ہے اور نہ ہی جائز ہے بلکہ یہ بیع فاسد کی ایک صورت ہے جو کہ ناجائز اور حرام ہے۔

(۵) خالی زمین پر فلیٹ کا نقشہ بنا کر دوسری، تیسری، چوتھی منزلیں جن کا کوئی وجود نہیں کا بیچنا یہ بھی ناجائز اور حرام ہے کیوں کہ جب پہلی منزل ہی نہیں بنی تو اس کا کسی بھی اعتبار سے وجود نہیں جو بک رہے ہیں۔

(۶) آج کل بعض سوسائٹیوں کے پاس پلاٹ بھی ہوتے ہیں اور بوقتِ عقد قبضہ بھی دیتے ہیں اور پلاٹ کی لمبائی چوڑائی یعنی کل رقبہ بھی معلوم ہوتا ہے لیکن محل وقوع متعین نہیں ہوتا لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ قرعہ اندازی کے بعد محل وقوع معلوم کر کے دیا جائے گا یا ہم جہاں چاہیں وہاں دیں گے تو یہ صورت بھی جہالتِ مبیع کی وجہ سے بیع فاسد میں داخل اور ناجائز ہے۔

(۷) بعض لوگ حکومت کی زمین پر قبضہ کر کے اس کو پلاٹوں میں تقسیم کر کے بیچتے ہیں، ایسے پلاٹوں کا بیچنا اور خریدنا دونوں ناجائز اور حرام ہے۔

(۸) آج کل بعض لوگ مثلاً بیس لاکھ کا مکان پندرہ لاکھ میں مجبوری کی وجہ سے اس

شرط پر بیچ دیتے ہیں کہ جب اس (بائع) کو پندرہ لاکھ روپے مل جائیں تو خریدار پندرہ لاکھ میں واپس اس کے ہاتھ بیچے گا اس طرح معاملہ اس لیے کرتے ہیں تا کہ مکان کو رہن اور گروی رکھنا اور پھر اس سے فائدہ اٹھانا جو کہ سود ہے، سے بچ جائیں، جبکہ اس طرح حیلہ اور معاملہ سے یہ مقصد شرعاً حاصل نہیں ہوتا کیونکہ واپسی کی شرط پر بیچنا ناجائز اور حرام ہے۔

(۹) اسلامی بینک جو محدود ذمہ داری کی شرط پر چیزیں خریدتے ہیں یہ بھی بیوعِ فاسدہ میں داخل، حرام اور ناجائز ہے۔

(۱۰) بعض باغات والے اپنے باغ کے پھل ایسے وقت میں بیچ دیتے ہیں کہ ابھی درخت پر نہ پھل ہے اور نہ ہی پھل کا پھول، یہ معاملہ بھی ناجائز اور حرام ہے۔

(۱۱) بعض ڈیموں میں کافی مچھلیاں ہوتی ہیں تو حکومت کسی کو پکڑنے سے پہلے ٹھیکہ دے کر بیچ دیتے ہیں یہ بھی ناجائز ہے اور حرام ہے۔

(۱۲) بعض کو کسٹم کی ڈیوٹی ادا کرنے پر قدرت نہیں ہوتی یا کسٹم کی ڈیوٹی گاڑی کی قیمت سے زیادہ لگ جاتی ہے اس لیے وہ گاڑی چھوڑ دیتے ہیں اور کسٹم والے قبضہ کر کے ان گاڑیوں کو بیچتے ہیں، ان ضبط شدہ گاڑیوں کو بیچنا اور خریدنا ناجائز اور حرام ہے۔

(۱۳) زید بکر کے پاس آیا اور کہا کہ تم فلاں گاڑی اپنے لیے خرید کر مجھ پر بیچ دینا اب زید نے گاڑی خریدی نہیں ہوتی کہ بکر پر بیچ دیتا ہے پھر خرید کر زید کے حوالے کرتا ہے، یہ صورت بھی ناجائز اور حرام ہے اس کی جائز اور صحیح صورت یہ ہے کہ خریدنے سے پہلے بیع نہ کرے بلکہ بیع یعنی خرید و فروخت کے معاملے کا وعدہ کرے اور جب گاڑی خریدے اس کے بعد وعدہ کے مطابق بیچ دے البتہ اس صورت میں یہ بات ضروری ہے کہ زید اگر کسی عذر سے بکر کے خرید لینے کے بعد بکر سے خریدنا نہ چاہے تو بکر کا زید کو وعدہ کی وجہ سے مجبور کرنا جائز نہیں۔

(۱۴) آج کل شریعت کے احکام سے ناواقف یا غافل تجار سامان خرید کر اس پر قبضہ کرنے سے پہلے آگے بیچ دیتے ہیں، حالانکہ یہ ناجائز اور حرام ہے۔

(۱۵) خون کی خرید و فروخت جائز نہیں البتہ بوقتِ ضرورت خون کو خریدنا تو جائز ہے بائع کے لیے ثمن اور قیمت حلال نہیں۔

(۱۶) آج کل ٹی وی کی خرید و فروخت عام ہے جبکہ یہ ناجائز اور حرام ہے۔

(۱۷) آج کل چوری کی اشیاء کی خرید فروخت عام ہے جبکہ یہ ناجائز اور حرام ہے۔

(۱۸) انشورنس، بیمہ اور تکافل کی پالیسیاں جو لوگ خریدتے ہیں یہ ناجائز اور حرام ہے۔

(۱۹) باطل فرقوں کی کتابوں کی تجارت و اجارہ ناجائز اور حرام ہے۔

(۲۰) مجسمے جیسے کتے، بلی وغیرہ اور تمام ذی روح کی تصاویر کی تجارت ناجائز اور حرام ہے۔

(۲۱) ہیروئن، چرس اور بھنگ وغیرہ نشہ آور اشیاء نشے کے لیے استعمال کرنے والے پر بیچنا ناجائز اور حرام ہے۔

(۲۲) باہر ملکوں سے مال منگوا کر اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کی رسید کو بیچنا۔

(۲۳) سو کنال زمین کے مالک کا لوگوں کو تین سو کنال زمین فروخت کر دینا۔

(۲۴) خریدی گئی چیز کی بقیہ قسطیں ادا کرنے سے پہلے وہی چیز بائع کو کم قیمت پر بیچنا۔

(۲۵) بعض ٹرسٹ والے اس شرط پر بکرا رعایتی قیمت پر فروخت کرتے ہیں کہ گوشت انہیں کو دیا جائے گا، کسی اور جگہ لے جانے کی صورت میں رعایتی قیمت پر نہیں دیتے۔

(۲۶) چاول وغیرہ (کوئی جنس) دے کر ریٹ (ثمن) کچھ مدت کے بعد مقرر کرنا۔

(۲۷) قسطوں کی بیع میں یہ شرط لگانا کہ اگر مبیع ہلاک ہو جائے تو کسی کے ذمے کچھ لینا دینا نہیں۔

﴿تاجیلِ مبیع کا حکم﴾

السوال

آج کل مکانات ،فلیٹوں وغیرہ کو قسطوں پر فروخت کیا جاتا ہے جن میں مندرجہ ذیل شرائط لگائی جاتی ہیں:

(۱) جب قسطیں مکمل ہوں گی تو قبضہ کرایا جائے گا۔

(۲) اگر وقت پر قسط ادا نہ کی تو ''سرچارج'' کے نام سے جرمانہ لگایا جائے گا۔

نیز بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ پلاٹ کی جگہ ہی متعین نہیں ہوتی اور پلاٹ پہلے ہی سے بک کر لیے جاتے ہیں حتی کہ بعض مواقع پر تو زمین کی خریداری سے قبل ہی پلاٹوں کی بکنگ کر دی جاتی ہے۔ کیا مذکورہ بالا صورتوں میں عقدِ بیع صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب باسم ملہم الصواب

تین وجوہ سے خرید وفروخت کا یہ معاملہ ناجائز، فاسد اور بحکمِ سود ہے:

﴿۱﴾ تعیینِ مبیع صحتِ بیع کے لیے ضروری ہے جبکہ یہاں بوقتِ عقدِ بیع تعیینِ مبیع نہیں ہوتی بلکہ بعد میں قرعہ اندازی وغیرہ کے ذریعے سے اس کی تعیین کی جاتی ہے۔

﴿۲﴾ صحتِ بیع کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ مبیع مقدور التسلیم ہو اور بوقتِ عقد اسے مشتری کے حوالے کیا جا سکے لہٰذا یہ شرط لگانا کہ ''مبیع اتنے ماہ یا اتنے سالوں کے بعد حوالہ کیا جائے گا'' یہ بھی ناجائز اور مفسدِ عقد ہے۔ جبکہ ان مکانات اور پلاٹوں کی بیع میں سوال کے مطابق یہ شرط ہے کہ تسلیم اور قبضہ اتنی مدت کے بعد کرایا جائے گا۔

﴿۳﴾ قسط کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں ''سرچارج'' کے نام سے جرمانہ لگانا سود ہے۔

''احسن الفتاویٰ'' میں ایسی شرط کے متعلق تحریر ہے:

''......تمام اقساط ادا نہ کرنے کی صورت میں مبیع کی واپسی اور ادا کردہ اقساط ضبط کرنے کی شرط فاسد ہے، اس لیے یہ معاملہ جائز نہیں''۔(احسن الفتاوی ۶/ ۵۱۹)

الحاصل ! ان تین وجوہ کی بناء پر پلاٹوں اور بنے ہوئے مکانات کی خرید وفروخت ناجائز ہے اور یہ بیع فاسد ہے اور بیع فاسد میں دو بڑے گناہ ہیں:

(۱) بیع فاسد بحکمِ سود ہے اس لیے اس میں سود کا گناہ ہے جس پر قرآن وحدیث میں بے شمار وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

(۲) بیع فاسد سے حاصل شدہ پلاٹ اور مکان اگر خریدار نے آگے نفع کے ساتھ فروخت کیا تو جتنا نفع آیا وہ اس کے لیے حرام ہے اور مساکین پر اس کا تصدق واجب ہے ،اگر خود کھائے گا تو حرام کھائے گا۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: إن الشروط الفاسدة من الربا وهي في المعاوضات المالية وغيرها لان الربا هو الفضل الخالي عن العوض وحقيقة الشروط الفاسدة هي زيادة ما لا يقتضيه العقد ولا يلائمه ففيها فضل خال عن العوض وهو الربا كما في الزيلعي وغيره قبيل كتاب الصرف.

(الشامية ۷/ ۱۸۹،ط: رشيديه)

قال الامام المرغيناني رحمه الله تعالى: قال : ((ومن اشترى جارية بيعافاسدا وتقا بضها ، فباعها وربح فيها تصدق بالربح ، و يطيب للبائع ماربح في الثمن)) والفرق أن الجارية مما يتعين فيتعلق العقدبها ، فيتمكن الخبث في الربح ، و الدراهم و الدنانير لا تتعينان في العقود ، فلم يتعلق العقد الثاني بعينها ، فلم

يتمكن الخبث فلا يجب التصدق ، وهذا في الخبث الذى سببه فساد الملك الخ. (الهداية ٣ / ٦٧ ، ٦٨)

اگر کوئی یہ عقد کر چکا ہے تو اب اس پر تین باتیں لازم ہیں:

(۱) اس عقدِ فاسد کے گناہ سے توبہ کرے۔

(۲) اس عقد کو ختم کرے۔

(۳) اگر اس چیز کو خریدنا ضروری سمجھتا ہے تو پھر اس کے لیے درج ذیل دو صورتوں میں سے کوئی صورت اختیار کی جائے:

(الف) اگر فی الحال مبیع کا قبض وتسلیم کرانا ممکن ہے تو بخوشی عقدِ جدید کر کے قبضہ کرا دیا جائے۔

(ب) اگر فی الحال قبض وتسلیم ممکن نہیں تو فی الوقت وعدۂ بیع کر لے اور جب مبیع حوالے کرنے پر قادر ہو جائے تو باقاعدہ ازسرِ نو عقد کر لیا جائے لیکن اس صورت میں دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے:

(۱) وعدہ کی بنیاد پر ایک دوسرے کو بیع وشراء پر مجبور کرنا جائز نہیں لہٰذا وعدۂ بیع کے بعد بھی اگر بائع کسی وجہ سے نہ بیچنا چاہے یا مشتری کسی وجہ سے نہ خریدنا چاہے تو ہر ایک کو اس کا اختیار ہوگا۔

(۲) وعدہ کے بعد دوسرے کے ہاتھ بیچنا جیسا کہ آج کل عام معمول ہے کہ خریدار آگے دوسرے تیسرے کو بیچتا رہتا ہے، یہ جائز نہیں۔

وقال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى : وأما شرائط المعقود عليه فأن يكون موجودا مالا متقوما مملوكا في نفسه وأن يكون ملك البائع فيما يبيعه لنفسه وأن يكون مقدور التسليم فلم ينعقد بيع المعدوم وما له خطر العدم كنتاج النتاج والحمل

والـلبن في الضرع والثمر والزرع قبل الظهور والبذر في البطيخ والنـوى فـي التمر واللحم في الشاة الحية والشحم والألية فيها وأكارعها ورأسها والسجير في السمسم.

(البحر الرائق ۵/۴۳۳،ط:رشيديه)

قال العلامة ابن عابدين رحمه اله تعالى تحت قوله (وشرط اهلية الـمتعـاقـديـن): وشـرط الـمعقود عليه ستة: كونه موجودا مالا متقوما مملوكا في نفسه وكون الملك البائع فيما يبيعه لنفسه وكونه مقدور التسليم فلم ينعقد بيع المعدوم وماله خطر العدم كالحمل واللبن في الضرع والثمر قبل ظهوره.

(الشامية ۴/۵۰۵،ط:سعيد)

قـال الـعـلامة مـحمد بن محمود البابرتي رحمه الله تعالى : قال (ومـن بـاع عينا على أن لا يسلمها إلى رأس الشهر) إلخ الأجل في المبيع العين باطل لإفـضائه إلى تحصيل الحاصل فإنه شرع تـرفيهـا فـي تـحـصيـلـه باتساع المدة فإذا كان المبيع أو الثمن حـاصـلا كان الأجل لتحصيل الحاصل وإنما قيد بالعين احترازا عـن السـلـم فـإن تـرك الأجـل فيـه مـفسـد لـلـحـاجة إلـى التحصيل. (العناية شرح الهداية ٦/ ٤١١،ط:رشيديه)

قـال الامـام ابن الهمام رحمه الله تعالى :(وصوم النصارى وفطر اليهـود إذا لـم يـعـرف الـمتبـايـعان ذلك فاسد لـجهـالة الأجل) وعـرف بهذا التعليل أن المراد بالمؤجل هنا هو الثمن لا المبيع ؛ لأن مـجـرد تـأجيل المبيع مفسد ولو كان إلى أجل معلوم فلا يناسب تعليل فساد تأجيل المبيع بجهالة الأجل.

(فتح القدير٦/٤١٦ ، ط: رشيديه)

قـال العلامة الشلبي رحمه الله تعالى : (قوله : لا يجوز البيع إلى هـذه الآجـال) أي لـجهـالة الأجـل وعلم بهذا التعليل أن المراد

بالمؤجل هنا هو الثمن لا المبيع ؛ لأن مجرد تأجيل المبيع مفسد ولو كان إلى أجل معلوم فلا يناسب تعليل فساد تأجيل المبيع لجهالة الأجل قاله الكمال.

(حاشية الشلبى على التبيين ٥/٥٩،ط:سعيد)

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى فى حاشيته على البحر: قوله (وفى المجتبى باع رغيفا نقدا إلخ) انظر ما وجهه ووجهه شيخنا بأن الثمن يجوز تأجيله دون المبيع وقوله ولو كان الرغيفان نقدا أى اللذان دخلت عليهما الباء وهما الثمن وقوله والرغيف نسيئة أى الذى هو المبيع إن باع رغيفا نسيئة برغيفين نقدا فلا يجوز لما فيه من تأجيل المبيع .

(منحة الخالق على البحر الرائق ٦/٢٢٦،٢٢٥ ط: رشيديه)

و قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى ايضاً : وقيدنا بتأجيل الثمن لان تأجيل المبيع المعين لا يجوز ويفسده كما فى الجوهرة. (البحر الرائق٥/٤٦٧،ط:رشيديه)

و قال العلامة الحصكفى رحمه الله تعالى : ولو باع مطلقا عنها أى عن هذه الآجال ثم أجل الثمن الدين أما تأجيل المبيع أو الثمن العينى فمفسد ولو إلى معلوم.

(الشامية ٧/ ٢٧٩،ط: رشيديه)

و قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى : قوله :(وصح بثمن حال) بتشديد اللام قال : فى المصباح : حل الدين يحل بالكسر حلولا .ا هـ قيد بالثمن ؛ لأن تأجيل المبيع المعين لا يجوز ويفسده بحر.(الشامية ٧/ ٤٩،ط: رشيديه)

وقال العلامة الماوردى الشافعى رحمه الله تعالى : فأما قوله : مؤجلا : يعنى به تأجيل تسليم المبيع كقوله بعتك دارا بالبصرة أو بغداد على أن أسلمها إليك بعد شهر فهذا باطل لأنه عقد على عين بشرط تأخير القبض وذلك غير جائز .(الحاوى الكبير للماوردى ٥/ ٤٣)

وقال العلامة المرغيناني رحمه الله تعالى : قال ومن اشترى عشرة أذرع من مائة ذراع من دار أو حمام فالبيع فاسد عند أبي حنيفة وقالا : هو جائز وإن اشترى عشرة أسهم من مائة سهم جاز في قولهم جميعا.

وقال الامام ابن الهمام رحمه الله تعالى : قوله (ومن باع عشرة أذرع من مائة ذراع من دار أو حمام فالبيع فاسد عند أبي حنيفة رضي الله عنه وقالا : هو جائز) وبه قال الشافعي رحمه الله (وإن اشترى عشرة أسهم من مائة سهم منها جاز في قولهم جميعا) ومبنى الخلاف على أن المؤدى من عشرة أذرع من مائة ذراع معين أو شائع فعندهما شائع كأنه باع عُشُرَ مائة وبيع الشائع جائز اتفاقا كما في بيع عشرة أسهم من مائة سهم وعنده مؤداة قدر معين والجوانب مختلفة الجودة فتقع المنازعة في تعيين مكان العشرة ففسد البيع فلو اتفقوا على أن مؤدى عشرة أذرع من مائة من هذه الدار شائع لم يختلفوا ولو اتفقوا على أنه متعين لم يختلفوا فهو نظير اختلافهم في نكاح الصابية مبنى على أنهم يعبدون الكواكب ولا كتاب لهم أو لهم كتاب فلو اتفقوا على الثاني اتفقوا على جوازه أو على الأول اتفقوا على عدم الجواز فالشأن في ترجيح المبنى فأبو حنيفة يقول الذراع اسم لما يذرع به ومعلوم أنه لم يرد بالمبيع عشرا من الخشبات التي يذرع بها فكان مستعارا لما يحلها وما يحله معين فكان المبيع معينا مقدرا بعشرة أذرع بخلاف عشرة أسهم ؛ لأن السهم اسم للجزء الشائع فكان المبيع عشرة أجزاء شائعة من مائة سهم .(شرح فتح القدير على الهداية ٢٥٧/٦،ط:رشيديه)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

﴿مکانات میں عقدِ استصناع کی شرعی حیثیت﴾

السوال

(۱) آج کل فلیٹوں اور مکانات کو بنانے کا منصوبہ تیار کیا جاتا ہے پھر اس منصوبہ کے تحت مکانات اور فلیٹس کی خرید وفروخت اقساط کی بنیاد پر کی جاتی ہے، جس میں یہ شرط ہوتی ہے کہ جب تمام یا اکثر اقساط ادا کی جائیں گی اور مکان/فلیٹ کی تعمیر مکمل ہو جائے گی، اس وقت قبضہ دیا جائے گا، پوچھنا یہ ہے کہ اس عقد کو استصناع میں داخل کر کے جائز کہا جا سکتا ہے؟

(۲) جو لوگ ایسا معاملہ کرتے ہیں وہ کیا کریں؟ ان کے لیے صورتِ جواز کیا ہے؟ کہ اس کے مطابق عقد کیا جائے۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کو استصناع میں داخل کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ جس استصناع کو شریعت نے خلافِ قیاس تعامل کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے وہ استصناع ہے جو درج ذیل احکام پر مشتمل ہو:

(۱) ابتداءً بائع اور مشتری میں سے کسی ایک پر بھی یہ عقد لازم نہیں لہٰذا عمل شروع کرنے سے پہلے ہر ایک کو منع کرنے کا اور اس معاملہ کو فسخ کرنے کا مکمل اختیار ہو۔

حكم الاستصناع الجواز وليس اللزوم لذا قالوا: الاستصناع عقد غير لازم من قبل الجانبين جميعا فلكل واحد منهما خيار الامتناع قبل ابتداء العمل. (الكافي في الفقه الحنفي ١١٤٥/٣،ط:بيروت)

(۲) صانع عمل سے فارغ ہو گیا لیکن ابھی تک مستصنع کو دکھایا نہیں، اس وقت بھی کسی فریق پر دینا لینا لازم نہیں بلکہ ہر فریق کو منع کا اختیار ہے، لہٰذا اس مصنوع کا صانع کے لیے بیچنا اور مستصنع کے سوا کسی اور کے لیے اس کا خریدنا دونوں جائز ہیں، جیسے چمار نے جوتا بنا لیا

اور مستصنع کو دکھایا نہیں تو دکھانے سے پہلے کسی اور سے اس کی خرید وفروخت دونوں جائز ہیں۔

واذا فرغ الصانع من العمل فان خياره لا يزال ثابتا حتى يراه المستصنع حتى كان له ان يبيعه لمن يشاء.(حواله بالا)

مندرجہ بالا دونوں باتوں پر ہمارے ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے۔

(۳) صانع نے عمل کر کے شرائط کے مطابق مصنوع کو بنا کر مستصنع کو دکھایا تو صانع کا اختیار بالاتفاق ختم ہو جاتا ہے اور مستصنع کے اختیار میں اختلاف ہے، طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا اختیار باقی ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مستصنع کا اختیار بھی ختم ہو جاتا ہے، ارجح طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور ارفق بالناس امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

اما اذا احضره على الصنعة المشروطة وراٰه المستصنع فقد سقط حق الصانع فى الخيار وبقى هذا حق السمتصنع فان شاء اجاز وان شاء فسخ عند ابى حنيفه و محمد رحمهما الله تعالى لانه بمنزلة بيع الاعيان الغائبة وفيها يثبت خيار الرؤية وعند ابى يوسف رحمه الله تعالىٰ لا خيار للمستصنع لانه بيع فى الذمة بمنزلة السلم.(حواله بالا)

(٤) صانع و مستصنع میں سے اگر کوئی مر جائے تو استصناع بالاتفاق باطل ہو جاتا ہے، لہٰذا صانع کی موت کی صورت میں مستصنع صانع کے ترکہ میں سے مصنوع وصول نہیں کر سکتا۔

يبطل الاستصناع بموت الصانع لشبهه بالاجارة لذا جاء فى الذخيرة الاستصناع اجارة ابتداء بيع انتهاء لكن قبل التسليم لا عند التسليم بدليل قوله اذا مات الصانع بطل الاستصناع ولا يستوفى المصنوع من تركته.(حواله بالا)

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ مکانات وغیرہ میں مروج استصناع اس استصناع میں داخل نہیں جس کی شریعت نے خلافِ قیاس اجازت دی ہے۔

استصناعِ شرعی ومروجہ میں فروق:

استصناعِ شرعی اور استصناعِ مروجہ میں مندرجہ بالا احکام کے پیشِ نظر کئی فروق ہیں:

(۱) مروج استصناع کو ابتداء ہی سے لازم سمجھا جاتا ہے یہاں تک کہ بسا اوقات صانع کے عمل شروع کرنے سے قبل ہی مستصنع اس کو آگے بیچ دیتا ہے جبکہ شرعی استصناع میں لزوم نہیں۔

(۲) مروج استصناع میں صانع کسی بھی صورت میں یہ مصنوع (مکان، فلیٹ) کسی دوسرے کو فروخت نہیں کرسکتا جبکہ استصناعِ شرعی میں مستصنع کو دکھانے سے قبل فروخت کرسکتا ہے۔

(۳) استصناعِ شرعی صانع کی موت سے باطل ہوجاتا ہے لہٰذا مستصنع کو صرف اپنی ادا کردہ رقم کے مطالبے کا حق حاصل ہے، مصنوع (مکان، فلیٹ) کے مطالبے کا حق نہیں جبکہ مروجہ استصناع میں مصنوع (مکان، فلیٹ) کا حق دیا جاتا ہے اس وجہ سے مستصنع اس کے حصول کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔

مندرجہ بالا فروق سے جب یہ ظاہر ہوا کہ مکانات کا استصناع الگ ہے اور شریعت نے جس استصناع کو جائز قرار دیا ہے وہ الگ ہے تو اب مکانات وغیرہ کے استصناع پر جواز اور عدمِ جواز کا جو بھی حکم لگے گا وہ قیاس کے مطابق لگے گا نہ کہ خلافِ قیاس اور قیاس کا حکم ظاہر ہے کہ یہ شے معدوم، غیر مقدور التسلیم کی بیع بشرطِ تاجیلِ مبیع ہے جو کہ فاسد بلکہ باطل اور ناجائز ہے۔

نیز استصناع شرعی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں ایسے اجل کا ذکر نہ ہو جو استمہال

کے لیے ہو ورنہ وہ استصناع شرعی نہیں رہے گا بلکہ سلم بن جائے گا۔تفصیل اس کی یہ ہے کہ لفظِ استصناع اور اجل دونوں جمع ہونے کی کل چار صورتیں بنتی ہیں:

(۱) مبیع میں استصناع کا تعامل نہ ہو یہ بالاتفاق سلم ہے نہ کہ استصناع۔

(۲) تعامل بھی ہو اور اجل کا ذکر بھی استعجال کے لیے ہو۔ یہ بالاتفاق استصناع ہے۔ جیسے یہ کہے کہ کل پرسوں تک بنا کر دینا۔

(۳) تعامل ہو اور اجل میں استمہال واستعجال دونوں احتمال ہوں۔ یہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سلم ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک استصناع ہے۔

(۴) استصناع کا تعامل ہو البتہ اجل استمہال ہی کے لیے ہو۔ یہ بالاتفاق سلم ہے نہ کہ استصناع۔

صورتِ سوال میں استصناع میں جس اجل کا ذکر ہے وہ دو وجہ سے چوتھی صورت میں داخل اور استمہال ہی کے لیے ہے:

(۱) فقیہ ہندوانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اجل کا ذکر اگر صانع کی طرف سے ہے تو یہ استمہال کے لیے ہوگا اور مستصنع کی طرف سے ہے تو یہ استعجال کے لیے ہوگا اور یہ بات مسلم ہے کہ صورتِ سوال میں اجل کا ذکر صانع ہی کی طرف سے ہوتا ہے، وہ یہ شرط لگاتا ہے کہ اتنے سال پہلے مطالبہ نہیں کرے گا۔

........وفصل الهندواني فجعله من المستصنع استعجالاً ومن الصانع تاجيلاً.(البحر ٦/ ٢٨٤،رشيديه)

وقال في العناية : ويحكى عن ذكر المدة ان كان من قبل المستصنع فهو للاستعجال فلا يصير به سلما وان كان من قبل الصانع فهو سلم لانه يذكره على سبيل الاستمهال الخ.

(العناية مع الفتح ٧/ ١٠٠،ط:رشيديه)

(۲) بعض فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مصنوع جتنی مدت میں تیار ہوسکتا ہے اگر اس اجل اور مدت کی مقدار اس سے زیادہ ہے تو اجل استمہال کے لیے ہوگا، ورنہ استعجال کے لیے ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں مذکورہ صورت میں مصنوع کی صنعت میں جتنا وقت لگتا ہے اس سے کئی گنا زیادہ وقت کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو مکان اور فلیٹ سال چھ ماہ میں مسلسل کام کر کے تیار ہوسکتا ہے اس کے لیے کئی سال کی مدت کی شرط لگائی جاتی ہے۔

قال في العناية : اما المذكور على سبيل الاستعجال بان قال على ان تفرغه غدا او بعد غد لا يصير سلما لان ذكره حينئذ للفراغ لا لتاخير المطالبة والتسليم.(الفتح ۷/ ۱۰۰،ط:رشيديه)

قال العلامة الزيلعي رحمه الله تعالى : وهذا إذا ذكر الأجل على سبيل الاستمهال وإن ذكره على وجه الاستعجال بأن قال على أن تفرغ منه غدا أو بعد غد يكون استصناعا ؛ لأنه للفراغ لا لتأخير المطالبة وقيل : إن ذكر أدنى مدة يتمكن فيها من العمل فهو استصناع وإن كان أكثر من ذلك فهو سلم ويختلف ذلك باختلاف العمل فلا يمكن تقديره بشيء.

(تبيين الحقائق ۴/ ۵۲۸،ط:سعيد)

وقال العلامة الشلبي رحمه الله تعالى : قوله فهو سلم أي بلا خلاف .(حاشية الشلبي على التبيين ۴/ ۵۲۸،ط:سعيد)

جب یہ بات ثابت ہوئی کہ اجل کی شرط کی وجہ سے یہ معاملہ استصناع سے نکل کر سلم بن گیا تو اب اس کے صحیح اور جائز ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں بیع سلم کے جواز اور صحت کی تمام شرائط پائی جائیں ورنہ صحیح اور جائز نہ ہوگا۔ جبکہ اس معاملے میں بیع سلم کی ساری شرطیں نہیں پائی جارہیں کیوں کہ بیع سلم کے جواز اور صحت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ بوقتِ

عقد اسی مجلسِ عقد میں پورے کے پورے رأس المال اور ثمن پر قبضہ کیا جائے اور بیع بالاقساط کی صورت میں اس شرط کا پورا نہ ہونا ظاہر ہے۔

الحاصل! صورتِ سوال میں خرید وفروخت کا یہ معاملہ نہ عقدِ استصناع ہے اور نہ عقدِ سلم بلکہ عقدِ فاسد (بلکہ) باطل ہے، اور عقودِ فاسدہ وباطلہ کے دو بڑے مفاسد ہیں:

(۱) اس میں سود کا گناہ ہے کیونکہ تمام بیوعِ فاسدہ بحکمِ ربا ہیں۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: (فصل) و لو حكما فدخل ربا النسيئة و البيوع الفاسدة فكلها من الربا.

(رد المحتار ٧ / ٤١٧، ط: رشيدية)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: إن الشروط الفاسدة من الربا وهي في المعاوضات المالية وغيرها لان الربا هو الفضل الخالي عن العوض وحقيقة الشروط الفاسدة هي زيادة ما لا يقتضيه العقد ولا يلائمه ففيها فضل خال عن العوض وهو الربا كما في الزيلعي وغيره قبيل كتاب الصرف.

(الشامية ٧ / ١٨٩، ط: رشيديه)

(۲) ایسے عقود سے خریدی ہوئی چیز اگر منافع پر بیچی گئی تو وہ سارے منافع اس کے لیے حرام ہیں اور بدوں نیتِ ثواب اس کا مساکین پر تصدق واجب ہے۔

قال الامام المرغيناني رحمه الله تعالى: قال: ((و من اشترى جارية بيعا فاسدا و تقابضها، فباعها و ربح فيها تصدق بالربح، و يطيب للبائع ماربح في الثمن)) و الفرق أن الجارية مما يتعين فيتعلق العقدبها، فيتمكن الخبث في الربح، و الدراهم و الدنانير لا تتعينان في العقود، فلم يتعلق العقد الثاني بعينها، فلم يتمكن

الـخبـث فلا يجب التصدق، و هـذا فـی الـخبث الذی سببه فساد الملک الخ . (الهداية ٣ / ٦٧ ، ٦٨)

اشکال نمبر ۱ : جس طرح استصناعِ شرعی (جو غیر لازم ہے) خلافِ قیاس تعامل کی وجہ سے ورودِ نص سے جائز ہے اگر تعامل کی وجہ سے استصناعِ مروج جو کہ لازم ہے اس استصناعِ شرعی غیر لازم پر قیاس کر کے جائز کہا جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟

جــواب : یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ نص جب خلافِ قیاس وارد ہوتو اس کا حکم اپنے مورِد کے ساتھ خاص ہوتا ہے اور اس کا تعدیہ غیر مورِد میں جائز نہیں ہوتا اس لیے قیاس سے غیر مورِد کو مورِد میں داخل کر کے اس کے لیے حکمِ نص کو ثابت کرنا ممنوع ہوگا اور یہاں عقدِ استصناعِ شرعی میں وارد شدہ نص کا مورد استصناعِ غیرِ لازم ہے لہٰذا استصناعِ مروج لازم جو غیرِ مورد ہے، میں حکمِ نص (جو جواز ہے) ثابت نہ ہوگا کیونکہ تعدیہ اس حکم کا ہوتا ہے جو قیاس کے مطابق ہو جبکہ یہاں نص کا حکم خود مورد میں خلافِ قیاس ہے۔

اشــکال نمبر ۲ : علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو استصناعِ لازم کو مورد فرما کر صانع پر جبرِ عمل اور مستصنع پر قبولِ مصنوع کو ضروری و لازم قرار دیا ہے۔

قـال الـعـلامة الـحـصكفی رحمه الله تعالی : (فيـجبـر الـصانع علی عمله ولا يرجع) الآمر عنه ولو كان عدة لما لزم.

جواب : علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفصیلی اور مدلل باحوالہ بحث کرتے ہوئے اس کو تسامح اور سہو قرار دیا ہے۔

قـال الـعـلامة ابـن عـابـدين رحمه الله تعالیٰ : فقد ظهر لک بهذه الـنـقـول أن الاستـصـنـاع لا جبر فيه إلا إذا كان مؤجلا بشهر فأكثر فيـصير سلما وهو عقد لازم يجبر عليه ولا خيار فيه وبه علم أن قول

المصنف فيجبر الصانع على عمله لا يرجع الآمر عنه إنما هو فيما إذا صار سلما فكان عليه ذكره قبل قوله: وبدونه وإلا فهو مناقض لما ذكره بعده من إثبات الخيار للآمر..................فظهر أن قول الدرر تبعا لخزانة المفتي أن الصانع يجبر على عمله والآمر لا يرجع عنه سهو ظاهر اهـ.فاغتنم هذا التحرير ولله الحمد.

(الشامية، ۷/۵۰۲،ط:رشيدية)

صورتِ جواز : اس کی دوصورتیں ہیں:

(۱) ابھی تک مصنوع پر قبضہ نہیں کیا یا قبضہ تو کرلیا ہے اور مصنوع اپنی حالت میں صحیح سالم اس کے پاس موجود ہے۔

(۲) قبضہ کرنے کے بعد مصنوع ہلاک ہوگیا۔

پہلی صورت کا حکم: فریقین پر لازم ہے کہ اس معاملے کو فسخ (ختم) کریں اور مصنوع تیار ہونے کے بعد جدید بیع کریں البتہ بیعِ جدید پر ایک دوسرے کو مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔

دوسری صورت کا حکم : ہلاک ہوجانے کے وقت اس کی جو قیمت تھی اس قیمت کا مستصنع ضامن ہے لہٰذا اگر ثمن قیمت سے زیادہ ہے تو یہ زیادتی صانع کو دے دے اور اگر قیمت ثمن سے کم ہے تو صانع ثمن میں سے وہ کاٹ کر مستصنع کو واپس کردے۔

مندرجہ بالا ہر دوصورتوں میں صانع و مستصنع دونوں پر اس فاسد معاملے سے توبہ واستغفار لازم ہے۔

قال العلامة ابن مازة البخاري رحمه الله تعالى :والأصل: أن المقبوض بحكم العقد الفاسد مضمون بالقيمة فيما لا مثل له وبالمثل له وبالمثل فيما له مثل؛ لأن المقبوض في العقد الفاسد

مضمون بجهة القبض فصار كالمغصوب؛ وهذا لأن الأصل فى الضمانات القيمة؛ لأنها هى العدل وإنما يصار إلى المسمى فى موضع صحت التسمية تحرزاً عن المنازعة والتسمية هنا لم تصح فبقى الضمان الأصلى وهو القيمة.

(المحيط البرهانى ۹/۴۳۸،ط:ادارة القرآن)

﴿عقدِ استصناع سے متعلق مزید عبارات﴾

قال العلامة الكاسانى رحمه الله تعالى : أما كيفية جوازه فهى أنه عقد غير لازم فى حق كل واحد منهما قبل رؤية المستصنع والرضا به حتى كان للصانع أن يمتنع من الصنع وأن يبيع المصنوع قبل أن يراه المستصنع وللمستصنع أن يرجع أيضا؛ لأن القياس أن لا يجوز أصلا إلا أن جوازه ثبت استحسانا بخلاف القياس لحاجة الناس وحاجتهم قبل الصنع أو بعده قبل رؤية المستصنع والرضا به. (بدائع الصنائع ۴/۴۴۴،ط:رشيديه)

قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى: وأما الاستصناع فالكلام فيه فى مواضع الأول فى معناه لغة فهو طلب الصنعة وفى القاموس الصناعة ككتابة حرفة الصانع وعمله الصنعة. اهـ. فعلى هذا الاستصناع لغة طلب عمل الصانع وشرعا أن يقول لصاحب خف أو مكعب أو صفار اصنع لى خفا طوله كذا وسعته كذا أو دستا أى برمة تسع كذا ووزنها كذا على هيئة كذا بكذا وكذا ويعطى الثمن المسمى أو لا يعطى شيئا فيقبل الآخر منه الثانى فى دليله وهو الإجماع العملى وهو ثابت بالاستحسان والقياس أن لا يجوز وهو قول زفر لكونه بيع المعدوم وتركناه

للتعامل ولا تلزم المعاملة والمزارعة على قول أبى حنيفة لفسادهما مع التعامل لثبوت الخلاف فيهما فى الصدر الأول وهذا بالاتفاق فلهذا قصرناه على ما فيه تعامل وفيما لا تعامل فيه رجعنا فيه إلى القياس كان يستصنع حائكا أو خياطا لينسج له أو يخيط له قميصا بغزل نفسه.................الخامس فى حكمه وهو الجواز دون اللزوم لأن جوازه للحاجة وهى فى الجواز لا اللزوم ولذا قلنا للصانع أن يبيع المصنوع قبل أن يراه المستصنع لأن العقد غير لازم وأما بعدما رآه فالأصح أنه لا خيار للصانع بل إذا قبله المستصنع أجبر على دفعه له لأنه بالآخرة بائع له وتفرع على عدم لزومه ما فى فتاوى قاضى خان من الدعوى رجل استصنع رجلا فى شىء ثم اختلفا فى المصنوع فقال المستصنع لم تفعل ما أمرتك به وقال الصانع فعلت قالوا لا يمين فيه لأحدهما على الآخر ولو ادعى الصانع على رجل أنك استصنعت إلى فى كذا وأنكر المدعى عليه لا يحلف. اهـ
(البحر الرائق ٦/٢٨٣،٢٨٥،ط:رشيديه)

قال العلامة البابرتى رحمه الله تعالى : الاستصناع هو أن يجىء إنسان إلى صانع فيقول اصنع لى شيئا صورته كذا وقدره كذا بكذا درهما ويسلم إليه جميع الدراهم أو بعضها أو لا يسلم وهو لا يخلو إما أن يكون فيما فيه تعامل وإليه أشار بقوله شيئا من ذلك : أى مما تقدم من طست وقمقم وخفين أو لا. والثانى لا يجوز قياسا واستحسانا كما سيجىء والأول يجوز استحسانا والقياس يقتضى عدم جوازه ؛ لأنه بيع المعدوم وقد نهى صلى الله عليه وسلم عن بيع ما ليس عند الإنسان ورخص فى السلم

وهـذا ليـس بسـلم ؛ لأنه لم يضرب له أجل إليه أشار قوله : بغير أجـل .وجه الاستحسان الإجماع الثابت بالتعامل فإن الناس فى سـائـر الأعـصار تعارفوا الاستصناع فيما فيه تعامل من غير نكير والقياس يترك بمثله كدخول الحمام.

(العناية مع الفتح ۷/۱۰۸،ط:رشيديه)

قـال الامـام ابن الهمام رحمه الله تعالى : وإنما ينعقد عند الفراغ بيـعـا بـالتـعـاطـى ولهـذا كـان للصانع أن لا يعمل ولا يجبر عليه بـخـلاف السـلـم ولـلمستصنع أن لا يقبل ما يأتى به ويرجع عنه ولا تلزم المعاملة وكذا المزارعة على قول أبى حنيفة لفسادهما مـع التـعـامـل لثبوت الخلاف فيهما فى الصدر الأول وهذا كان عـلـى الاتـفـاق .والـصحيح من المذهب جوازه بيعا لأن محمدا ذكـر فيــه الـقيـاس والاستـحسـان وهـمـا لا يـجـريـان فـى المواعدة.(فتح القدير ۷/۱۰۸،ط:رشيديه)

قـال الامـام ابن الهمام رحمه الله تعالى : ولأن جواز الاستصناع لـلـحـاجة وهـى فـى الـجـواز لا اللزوم ولذا قلنا للصانع أن يبيع المصنوع قبل أن يراه المستصنع لأن العقد غير لازم وأما بعد ما رآه فالأصح أنه لا خيار للصانع بل إذا قبله المستصنع أجبر على دفعه له لأنه بالآخرة بائع والله أعلم .

(فتح القدير ۷/۱۱۰،ط:رشيديه)

قـال الامـام السرخسى رحمه الله تعالى : ولو قال المستصنع بهـذا أمرتـک ولكن لا أريده كان له ذلـک لما بينا أن الخيار ثـابت للمستصنع بسبب عدم الرؤية............إن شاء أخذه بما قـال الإسـكـاف وإن شـاء تركه لما بينا أن العقد غير لازم فى

حق كل واحد منهما.

(المبسوط للسرخسى ۹۴/۵،ط:دار احياء التراث العربى بيروت)

قال العلامة الشلبى رحمه الله تعالى : قوله ولهذا أى كان للصانع أن لا يعمل ولا يجبر عليه بخلاف السلم وللمستصنع أن لا يقبل ما يأتى به ويرجع عنه.

(حاشية الشلبى على التبيين ۵۲۶/۴،ط:سعيد)

قال العلامة الزيلعى رحمه الله تعالى : قال رحمه الله وللصانع بيعه قبل أن يراه ؛ لأنه لا يتعين إلا باختيار المستصنع وقبل أن يراه كان له أن يبيعه لعدم تعينه وإذا رآه ورضى به ليس له أن يبيعه ؛ لأنه بالإحضار أسقط خياره ولزم من جانبه فإذا رضى به المستصنع ثبت اللزوم فى حقه أيضا .

وقال رحمه الله تعالى ايضا: ولا خيار للصانع ؛ لأنه با ع ما لم يره وعن أبى حنيفة أن له الخيار أيضا ؛ لأنه يلحقه الضرر بقطع الصرم وعن أبى يوسف أنه لا خيار لواحد منهما أما الصانع فلما ذكرنا وأما المستصنع فلأن فى إثبات الخيار له إضرارا بالصانع فربما لا يرغب فيه غيره والصحيح أن للمستصنع الخيار دون الصانع ؛ لأنه المشترى لما لم يره والصانع بائع.

(تبيين الحقائق ۵۲۶/۴،ط:سعيد)

قال الامام ابن الهمام رحمه الله تعالى :للصانع أن يبيع المصنوع قبل أن يراه المستصنع لأن العقد غير لازم وأما بعد ما رآه فالأصح أنه لا خيار للصانع بل إذا قبله المستصنع أجبر على دفعه له لأنه بالآخرة بائع والله أعلم .

(فتح القدير ۱۱۰/۷،ط:رشيديه)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى : والاستصناع هو طلب عمل الصنعة (بأجل) ذكر على سبيل الاستمهال لا الاستعجال فإنه لا يصير سلما (سلم) فتعتبر شرائطه (جرى فيه تعامل أم لا) وقالا: الاول استصناع و(بدونه) أي الاجل (فيما فيه تعامل) الناس (كخف وقمقمة وطست) بمهملة وذكره في المغرب في الشين المعجمة وقد يقال طسوت (صح) الاستصناع (بيعا لا عدة) على الصحيح ثم فرع عليه بقوله (فيجبر الصانع على عمله ولا يرجع) الآمر عنه ولو كان عدة لما لزم.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى تحت قوله (بيعا لا عدة) : قال في النهر: وأورد أن بطلانه بموت الصانع ينافي كونه بيعا. وأجيب بأنه إنما بطل بموته لشبهه بالاجارة. وفي الذخيرة: هو إجارة ابتداء بيع انتهاء لكن قبل التسليم لا عند التسليم وأورد أنه لو انعقد إجارة لاجبر الصانع على العمل والمستصنع على إعطاء المسمى وأجيب بأنه إنما لا يجبر لانه لا يمكنه إلا بإتلاف عين له من قطع الاديم ونحوه والاجارة تفسخ بهذا العذر ألا ترى أن الذراع له أن لا يعمل إذا كان البذر من جهته وكذا رب الارض اهـ. ومثله في البحر والفتح والزيلعي. قوله: فيجبر الصانع على عمله تبع في ذلك الدرر ومختصر الوقاية. وهو مخالف لما ذكرناه آنفا عن عدة كتب من أنه لا جبر فيه ولقول البحر وحكمه الجواز دون اللزوم ولذا قلنا للصانع أن يبيع المصنوع قبل أن يراه المستصنع لان العقد غير لازم اهـ ولما في البدائع: وأما صفته: فهي أنه عقد غير لازم قبل العمل من

الجانبين بلا خلاف حتى كان لكل واحد منهما خيار الامتناع من العمل كالبيع بالخيار للمتبايعين فإن لكل منهما الفسخ وأما بعد الفراغ من العمل قبل أن يراه المستصنع فكذلك حتى كان للصانع أن يبيعه ممن شاء وأما إذا أحضره الصانع على الصفة المشروطة سقط خياره وللمستصنع الخيار. هذا جواب ظاهر الرواية وروى عنه ثبوته لهما وعن الثانى عدمه لهما والصحيح الاول اهـ. وقال أيضا: ولكل واحد منهما الامتناع من العمل قبل العمل بالاتفاق ثم إذا صار سلما يراعى فيه شرائط السلم: فإن وجدت صح وإلا لا اهـ. وقال أيضا: فإن ضرب له أجلا صار سلما حتى يعتبر فيه شرائط السلم ولا خيار لواحد منهما إذا سلم الصانع المصنوع على الوجه الذى عليه فى السلم اهـ. وفى التتارخانية: ولا يجبر المستصنع على إعطاء الدراهم وإن شرط تعجيله هذا إذا لم يضرب له أجلا فإن ضرب قال أبو حنيفة: يصير سلما ولا يبقى استصناعا حتى يشترط فيه شرائط السلم اهـ. فقد ظهر لك بهذه النقول أن الاستصناع لا جبر فيه إلا إذا كان مؤجلا بشهر فأكثر فيصير سلما وهو عقد لازم يجبر عليه ولا خيار فيه وبه علم أن قول المصنف فيجبر الصانع على عمله لا يرجع الآمر عنه إنما هو فيما إذا صار مسلما فكان عليه ذكره قبل قوله: وبدونه وإلا فهو مناقض لما ذكره بعده من إثبات الخيار للآمر ومن أن المعقود عليه العين لا العمل فإذا لم يكن العمل معقودا عليه كيف يجير عليه. وأما ما فى الهداية عن المبسوط من أنه لا خيار للصانع فى الاصح فذاك بعد ما صنعه

ورآه الآمـر كما صرح به فى الفتح وهو ما مر عن البائع والظاهر أن هـذا مـنشـأ تـوهـم الـمصنف وغيره كما يأتى.وبعد تحريرى لهـذا الـمـقـام رأيت موافقته فى الفصل الرابع والعشرين من نور الـعيـن إصـلاح جامع الفصولين حيث قال بعد أن أكثر من النقل فى إثبات الخيار فى الاستصناع: فظهر أن قول الدرر تبعا لخزانة الـمـفتـى أن الـصـانـع يـجبر على عمله والآمر لا يرجع عنه سهو ظـاهـر اهــ.فـاغتـنـم هذا التحرير ولله الحمد.قوله: والمبيع هو العين لا عمله أى أنه بيع عين موصوفة فى الذمة لا بيع عمل: أى لا إجارة على العمل لكن قدمنا أنه إجارة ابتداء بيع انتهاء.تأمل.

(الشامية ۷/۵۰۲،۵۰۳،ط:رشيديه)

قـال العلامة الزيلعى رحمه الله تعالى : وهذا إذا ذكر الأجل على سبيـل الاستـمهـال وإن ذكره على وجه الاستعجال بأن قال على أن تـفـرغ مـنـه غـدا أو بـعد غد يكون استصناعا ؛ لأنه للفراغ لا لتـأخيـر المطالبة وقيل : إن ذكر أدنى مدة يتمكن فيها من العمل فهو استصناع وإن كان أكثر من ذلک فهو سلم ويختلف ذلک باختلاف العمل فلا يمكن تقديره بشىء وعن الهندوانى إن ذكر الأجـل إن كـان مـن قبـل الـمستـصنع فهو للاستعجال فلا يصير سـلـمـا وإن كـان مـن قبـل الـصـانـع فهـو للاستمهـال فيكون سلما.(تبيين الحقائق ۴/۵۲۸،ط:سعيد)

وقـال الـعـلامة الشـلبى رحمه الله تعالى : قوله فهو سلم أى بلا خلاف .(حاشية الشلبى على التبيين ۴/۵۲۸،ط:سعيد)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

﴿(۱۰) اجارہ فاسدہ﴾

اجارہ کی تعریف: عند الحنفية: العقد على المنافع بعوض هو مالي.
کسی چیز کے منافع کو ایسے عوض کے بدلے حاصل کرنا جو مال ہو۔

جس شے کو اجارہ پر لیا جاتا ہے اگر وہ غیر ذوی العقول (انسان کے علاوہ) ہے تو اس کو شے موجَر اور اگر وہ ذوی العقول ہے جیسے کسی انسان کو کسی کام کے لیے اجرۃ (تنخواہ) پر لینا تو اس کو اجیر کہتے ہیں۔

اجارہ کی صحت کی بنیادی شرائط:

(ا) جو چیز کرائے پر لی جارہی ہے اس کے منافع (حاصل ہونے والے فائدے) معلوم ہوں اور یہ مندرجہ ذیل طریقوں سے حاصل ہوسکتا ہے:

(الف) مدت کی صراحت کردی جائے جیسے گھر مخصوص مدت کے لیے کرائے پر لیے جاتے ہیں رہائش کی غرض سے اور زمین مخصوص مدت کے لیے کرائے پر لی جاتی ہے کھیتی باڑی کے لیے۔

(ب) اس شے سے لیے جانے والے کام کی صراحت کردی جائے جیسے کسی آدمی کو کرائے پر لے کپڑے سینے کے لیے یا مزدوری کے لیے یا سواری کرائے پر لے اس پر سامان لادنے کے لیے۔

(ج) کام متعین کر کے دکھایا جائے جیسے کسی آدمی کو کرائے پر لے اور اس کو سامان بھی دکھادے کہ یہ سامان فلاں جگہ پہنچانا ہے۔

(۲) طے شدہ اجرۃ اور کرایہ معلوم ہو۔

(۳) جو چیز کرائے پر لی جارہی ہے اس کے کرائے پر لینے کا تعامل بھی ہو یعنی عام لوگ اس شے کو کرائے پر لیتے رہتے ہوں۔ جیسے عام سواریاں، مزدور، مکانات، دکانیں۔

اگر کوئی چیز ایسی ہو کہ عام طور پر لوگ اس کو کرائے پر نہ لیتے ہوں تو اس کا کرائے پر لینا جائز نہ ہوگا جیسے زیورات کا کرائے پر لینا جائز نہیں، البتہ جس زمانے میں اس کا بھی تعامل ہو جائے تو جائز ہے۔

(۴) جو چیز کرائے پر لی جارہی ہے اس کے کرائے پر لینے کی حاجت اور ضرورت بھی ہو، جیسے عام سواریاں، مزدور، مکانات، دکانیں۔

اگر کوئی چیز ایسی ہو کہ اس کے کرائے پر لینے کی ضرورت نہ ہو تو اس کا کرائے پر لینا بھی جائز نہ ہوگا جیسے اگر کوئی شخص درختوں کو کرائے پر لے ان پر کپڑے سکھانے کے لیے تو یہ جائز نہیں۔لعدم الحاجۃ۔

اگر مندرجہ بالا شرائط میں سے کوئی شرط نہیں پائی جائے گی تو اجارہ فاسد ہو جائے گا۔

تنبیہ : جس طرح بیع شروط فاسدہ سے فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح اجارہ بھی شروط فاسدہ سے فاسد ہو جاتا ہے لہٰذا جن جن شروطِ فاسدہ کا بیان بیوعِ فاسدہ کے ذیل میں گزرا، اگر وہی شرائط اجارہ میں بھی لگائی جائیں گی تو اجارہ فاسد ہو جائے گا۔

اجیر (ملازم) کی اقسام:

اجیر کی دو قسمیں ہیں: (۱) اجیرِ خاص (۲) اجیرِ مشترک

اجیرِ خاص: وہ ملازم ہے جو کسی ایک شخص یا چند مخصوص افراد کے لیے مخصوص وقت میں مخصوص کام کرے۔

حکم: مقررہ پورے وقت میں اس اجیر کا موجود ہونا ضروری ہے کام چاہے ہو یا نہ ہو، لہٰذا اگر پورے وقت میں موجود نہ رہا یا تھوڑے وقت میں موجود نہ رہا یا موجود ہوتے وقت مطلوبہ کام نہیں کیا تو اتنے وقت کا مستحق نہیں ہوگا۔

اجیرِ عام: وہ ملازم ہے جو بہت سے افراد کا کام کرے یا کام کا وقت مقرر نہ

ہو، جیسے دھوبی، درزی، رنگ ساز۔

حکم: اجیرِ عام جب کام مکمل کرے گا تو اجرۃ کا مستحق ہوگا۔

اجیرِ خاص کی مروجہ صورتیں:

(۱) سرکاری ملازمین۔
(۲) پرائیویٹ اداروں، فیکٹریوں، کارخانوں کے ملازمین۔
(۳) تعلیمی اداروں کے اساتذہ۔
(۴) تعلیمی اداروں کا دیگر عملہ۔
(۵) مختلف دکانوں پر کام کرنے والے ملازمین۔
(۶) تعمیراتی کام کرنے والے مزدور۔
(۷) بنگلوں اور عمارتوں وغیرہ کے چوکیدار۔
(۸) عام گھریلو ملازمین۔

اجیرِ خاص میں پائی جانے والی شرعی خرابیاں:

(۱) آمد و رفت کے مقررہ اوقات کی پابندی نہ کرنا یعنی دیر سے آنا یا جلدی چلے جانا۔

(۲) بعض ملازمین مقررہ وقت پر حاضر تو ہو جاتے ہیں لیکن حاضری لگوا کر چلے جاتے ہیں۔

(۳) بعض ملازمین جلدی جلدی مقررہ کام پورا کر کے کسی اور جگہ کام پر چلے جاتے ہیں حالانکہ ان کا مقررہ وقت باقی ہوتا ہے۔ جس میں حاضر رہنا شرعاً ضروری ہوتا ہے۔

(۴) بعض ملازمین کام کے ہوتے ہوئے بھی کوتاہی کرتے ہیں اور اپنا کام نہیں کرتے بلکہ فضول وقت ضائع کرتے رہتے ہیں مثلاً موبائل پر بات شروع کی اور کافی دیر تک اسی میں لگے رہتے ہیں نیز بعض کے کام کا کئی دوسرے افراد سے بھی تعلق ہوتا ہے کہ جب یہ کام دے گا تو آگے کام ہوگا ورنہ نہیں تو ایسے لوگ اپنا بھی وقت ضائع کرتے ہیں اور دوسروں کا بھی

وقت ضائع کرتے ہیں۔

(۵) اپنی جگہ کسی اور کو بھجوا کر خود گھر بیٹھے تنخواہ وصول کرتے رہنا حالانکہ ادارے کے قانون میں اس کی اجازت نہیں ہوتی۔

(۶) محض تعلقات کی بنیاد پر حاضری لگوا کر خود حاضر نہ ہونا اور تنخواہ وصول کرتے رہنا جیسے اکثر گاؤں دیہات کے سرکاری اسکولوں کے اساتذہ یا دیگر محکموں کے سرکاری ملازمین کرتے ہیں۔

(۷) ادارے کی جانب سے دیے گئے درمیانی وقفے میں مقررہ وقت سے زیادہ وقت لگانا جیسے ادارے کی طرف سے کھانے پینے یا نماز کا مخصوص وقفہ دیا گیا ہو تو اس سے زیادہ وقت لگانا۔

(۸) بعض تعلیمی اداروں میں اساتذہ بغیر رخصت لیے امتحانات کے زمانے میں مقررہ اوقات میں حاضر نہیں ہوتے۔

(۹) سالانہ چھٹیوں یا درمیانی رخصت کے دن گزرنے کے بعد مقررہ وقت پر پہنچنے میں تاخیر کرنا جیسا کہ عید کی چھٹیاں ختم ہونے کے بعد ابتدائی ایک دو دنوں میں اداروں میں اکثر ملازمین حاضر نہیں ہوتے۔

ایسی صورتوں میں ان کے لیے ایامِ غیر حاضری اور بقدرِ کوتاہی اوقات کی اجرت لینا ناجائز اور حرام ہے اور جو لے چکے ہیں تو وہ رقم متعلقہ ادارے کو لوٹانا واجب ہے۔

اجارہ باطلہ و فاسدہ کی مروجہ صورتیں :

(۱) حجام اور نائی (جو خلافِ شرع بال کاٹتے ہوں، جیسے انگریزی بال وغیرہ بنانا یا ایک مٹھی سے کم ڈاڑھی کٹوانا یا منڈانا) کو دکان کرائے پر دینا۔

(۲) دکاندار کا ٹھیلے والے کو دکان کے سامنے سرکاری زمین یعنی سڑک پر ٹھیلہ لگانے کی

اجازت دینے کی وجہ سے کرایہ لینا۔

(۳) تراویح پر اجرت لینا۔

(۴) ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی پر اجرت اور معاوضہ لینا۔

(۵) میوزک سینٹر یا ویڈیو فلم وغیرہ خرافات کے لیے دکان کرائے پر دینا۔

(۶) موسیقی اور مختلف ناجائز پروگراموں کے لیے لاؤڈ اسپیکر و دیگر آلات کرائے پر دینا۔

(۷) طوائفوں کو مکان کرائے پر دینا۔

(۸) مچھیروں کو جال وغیرہ اس طرح کرائے پر دینا کہ جتنی مچھلی پکڑی جائے گی آدھی میری آدھی تمہاری یا ایک تہائی میری اور دو تہائی تمہاری ہوگی۔

(۹) ناجائز اور غیر مہذب مضامین کی کتب جیسے ناول ڈائجسٹ وغیرہ یا فرقہ باطلہ کی کتب کرائے پر اور اجرت پر دینا، لینا۔

(۱۰) انشورنس، بیمہ، تکافل اور بینک وغیرہ خلافِ شرع اور ناجائز اداروں میں کمیشن ایجنٹ بننا اور اس پر اجرت لینا (جس کی تفصیل ہماری کتاب ''مروجہ تکافل اور شرعی وقف'' میں ملاحظہ فرمائیں)۔

(۱۱) جانور کو جفتی کے لیے کرایہ پر دینا۔

(۱۲) فوٹو بنوانا اور اس پر اجرت لینا، دینا۔

(۱۳) مختلف لانچوں اور کشتیوں والوں کا مزدوروں کے ساتھ اس طرح اجارہ وکرایہ کا معاملہ کرنا کہ جتنی مچھلیاں پکڑی جائیں گی اتنا حصہ مثلاً ایک تہائی یا دو تہائی تمہیں ملے گا اور نہ پکڑی گئیں تو کچھ بھی نہ ملے گا۔

(۱۴) آج کل لوگ دکان یا مکان کرائے پر لے کر اس کو آگے زائد کرائے پر دے دیتے ہیں، خصوصاً حرمین شریفین میں، اس سلسلے میں ملحوظ رہے کہ اگر مکان کے رنگ وروغن یا دروازوں میں یا اے سی اور پنکھوں وغیرہ یا کسی بھی قسم کا اضافہ وزیادتی کیے بغیر آگے زیادہ

کرائے پر دیا تو ناجائز ہے البتہ کسی قسم کی زیادتی اور اضافات کے بعد جائز ہے۔

(۱۵) قصائی سے جانور ذبح کرانا اور اجرت میں اسی جانور کی کھال متعین کر کے دینا بھی ناجائز اور حرام ہے۔

(۱۶) بیوٹی پارلر کا پیشہ اختیار کرنا اور اس پر عورتوں سے اجرت لینا، ناجائز ہے، نیز اس عمل کے لیے دکان وغیرہ کرائے پر دینا بھی ناجائز ہے۔

(۱۷) شادی بیاہ اور مختلف تقریبات میں ڈھول، باجے بجانے والوں کو ایسے ہی گانا گانے والوں کو یا سارنگی، بانسری بجانے والوں کو اجرت دینا، لینا۔

(۱۸) بھیک مانگنے کا پیشہ اختیار کرنا اور ایسے بھکاریوں سے بھیک مانگی ہوئی چیز کا ان سے اجارے پر لینا اور دینا۔

(۱۹) حرام آمدنی والوں جیسے بیمہ، انشورنس، تکافل، بینک (خواہ نام کا اسلامی کیوں نہ ہو) کے ملازم کو کوئی چیز کرائے پر دینا یا اس کے ہاتھ بیچنا اور کرایہ اور اشیاء کی قیمت میں وہی (حرام ذرائع سے حاصل شدہ) پیسہ لینا۔

(۲۰) اخبارات اور مختلف رسائل کے مالکان کا خلافِ شرع چیزیں شائع کر کے اس پر اجرت لینا جیسے تصاویر اور اہلِ باطل کے اشتہارات، جھوٹ اور خلافِ واقعہ خبریں شائع کر کے پیسے لینا۔

(۲۱) ٹی وی کی مرمت پر اجرت لینا، دینا۔

(۲۲) بینک میں ملازمت کرنا۔

(۲۳) جن اداروں میں اکثر کام ذی روح کی تصاویر بنانا ہی ہو ان میں ملازمت کرنا۔

(۱۱) ربح ما لم يضمن کی تفصیل

ربح ما لم يضمن کی تشریح: یعنی جس چیز کا ضمان اور تاوان ذمہ پر لازم نہیں، اس چیز کا ربح اور نفع لینا حلال اور جائز نہیں جیسے بیع قبل القبض (مال قبضہ میں آنے سے پہلے اس کو آگے فروخت کر دینا) مثلاً زید نے بکر سے ایک بیل پچاس ہزار پر خریدا اور قبضہ کرنے سے پہلے اس کو دس ہزار نفع پر یعنی ساٹھ ہزار روپے میں عمرو پر بیچ دیا اور عمرو سے کہا کہ بیل بکر کے گھر میں باندھا ہوا ہے وہاں سے لے جاؤ اس صورت میں زید کے لیے یہ دس ہزار ربح اور نفع حلال نہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: **لايحل ربح ما لم يضمن**

''جس چیز کا ضمان یا نفع کسی پر نہیں آتا اس کے لیے اس چیز کا نفع حلال نہیں''

(۱) قال رسول الله ﷺ: لا يحل سلف و بيع و لا شرطان في بيع و لا ربح ما لم يضمن و لا بيع ما ليس عندك، رواه الترمذي و أبو داود و النسائي (المشكوة ۲۴۸)

''رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: قرض اور بیع (ایک دوسرے سے متعلق کر کے) حلال نہیں ہے، اور بیع میں دو شرطیں کرنی درست نہیں، اور اس چیز سے نفع اٹھانا درست نہیں جو ابھی اپنی ضمان (قبضہ) میں نہیں آئی، اور اس چیز کو بیچنا جائز نہیں جو تمہارے پاس (یعنی تمہاری ملکیت میں) نہیں''۔

نیز فرمایا: **الغنم بالغرم** ''منافع کا مدار تاوان پر ہے''

(۲) عن سعيد بن المسيب أن رسول الله ﷺ قال: لا يُغْلِقُ الرهنُ الرهنَ من صاحبه الذي رهنه له غنمه و عليه غرمه، رواه الشافعي مرسلا (المشكوة ۲۵۰)

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی چیز کو رہن (گروی) رکھنا اُس مرہون شیء (کی ملکیت اور منافع) سے اُس کے مالک کو نہیں روکتا (یعنی کسی چیز کو گروی رکھنے سے راہن اور

مالک کی ملکیت ختم نہیں ہوتی لہٰذا) اس گروی رکھی ہوئی چیز کے ہر نفع اور بڑھوتری کا حقدار راہن ہی ہوگا اور وہی اس کے نقصان کا بھی ذمہ دار ہوگا۔‘‘

اور فرمایا: **الخراج بالضمان** ’’منافع ضمان کے عوض ہے‘‘

(۳) عن مخلد بن خُفَافُ قال: ابتعت غلاما فاستغللته ثم ظهرت منه على عيب فخاصمت فيه إلى عمر بن عبد العزيز فقضى لى برده و قضى عَلَىَّ برد غلته فأتيت عروة فأخبرته فقال: أروح إليه العشية فَأُخْبِرُهُ أن عائشة أخبرتنى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى فى مثل هذا: أن الخراج بالضمان فراح إليه عروة فقضى لى أن آخذ الخراج من الذى قضى به عَلَىَّ له، رواه فى شرح السنة. (المشكوة ۲۴۹)

’’مخلد بن خفاف فرماتے ہیں کہ میں نے ایک غلام خریدا، پھر میں نے اس کو مزدوری پر لگایا اور اس کی مزدوری بطور نفع رکھ لی، پھر مجھے اس کا ایک پرانا عیب معلوم ہوا تو اس کی وجہ سے میں نے اس کے سابق مالک کے خلاف (حضرت) عمر بن عبدالعزیز (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے پاس مقدمہ دائر کیا، انہوں نے فیصلہ دیا کہ میں یہ غلام اس عیب کی وجہ سے اس کے مالک کو لوٹا دوں اور مزدوری کا جو نفع میں لے چکا تھا وہ بھی اس کے مالک کو واپس کردوں۔ پھر میں عروہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے پاس آیا اور ان کو اس تمام معاملے کی روئیداد سنائی تو انہوں نے فرمایا کہ (حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس فیصلہ میں مزدوری واپس کرنے کے سلسلے میں غلطی ہوئی ہے) اور میں شام کو ان کے پاس جا کر (حضرت) عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی روایت بیان کروں گا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کے ایک فیصلہ میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ نفع اس کو ملتا ہے جو ضمان اور نقصان کا ذمہ دار ہے۔ (چونکہ غلام کی مزدوری کے عرصے میں اگر اس سے کوئی نقصان ہوتا یا خود مر جاتا تو اس کی ذمہ داری اسی مشتری اور خریدار پر آتی، لہٰذا اس عرصہ کا نفع بھی اسے ہی ملنا چاہئے) سو عروہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) شام کو ان کے پاس تشریف لے گئے پھر (حضرت) عمر بن عبدالعزیز (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے میرے لئے فیصلہ دیا کہ میں وہ نفع اس مالک سے واپس لے لوں‘‘۔ (المرقاۃ ۶/۸۹، ط: رشیدیہ جدید)

ربح مالم یضمن کی مروجہ صورتیں:

(۱) اسٹاک ایکسچینج میں حصص کا کاروبار، اس طور پر کہ اسٹاک ایکسچینج کا جملہ کاروبار محض زبانی باتوں اور رسیدوں پر ہی ہوتا ہے، کسی کے ضمان اور قبضہ میں آنے سے قبل ہی شے ہاتھ در ہاتھ رسیدیں دکھا کر نفع کے ساتھ بکتی چلی جاتی ہے۔ اب یہاں حاصل ہونے والا نفع اس شخص کے لیے حلال نہ ہوگا اس لیے کہ وہ چیز تو اس کے ضمان میں آئی ہی نہیں۔

(۲) درآمدات و برآمدات، اس طور پر کہ بیرون ممالک سے منگوایا جانے والا سامان ملکیت اور قبضہ میں آئے بغیر ہی محض رسیدوں کی بنیاد پر کئی ہاتھوں میں نفع کے ساتھ فروخت ہوتا چلا جاتا ہے، اب یہاں بھی حاصل ہونے والا نفع سامان کے قبضہ وضمان میں آنے سے قبل کا ہے۔ لہٰذا حلال نہیں۔

(۳) مرابحاتِ بنوکیہ، اس طور پر کہ جس شخص کو گاڑی کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ اسلامی نامی بینکوں سے گاڑی لینے جاتا ہے تو بینک اس کو گاڑی کی رقم دے کر اپنی جانب سے گاڑی خریدنے کا وکیل بنالیتا ہے، پھر جونہی وہ شخص بینک کے لیے گاڑی خریدتا ہے تو بینک گاڑی پر قبضہ کیے بغیر ہی وہ گاڑی اسی شخص پر نفع کے ساتھ بیچ دیتا ہے، تو یہ نفع بھی مذکورہ بالا اصول کے پیشِ نظر ان کے لیے حلال نہ ہوا کہ بینک نے گاڑی ضمان میں آنے سے قبل ہی بیچ کر نفع کمایا۔

(۴) شرکتِ بنوکیہ، اس میں بھی ارباب الاموال کو جو نفع ملتا ہے اس میں بھی **ربح مالم یضمن** کی صورتیں یقیناً پائی جاتی ہیں۔

جیسا کہ اسلامی بینکاری سے متعلق فتویٰ اور کتاب ''غیر سودی بینکاری ایک منصفانہ علمی جائزہ'' میں مفصل مذکور ہے۔

(۵) آج کل بعض لوگ کاروبار اس طرح کرتے ہیں، ایک آدمی دوسرے آدمی سے کہتا ہے کہ آپ کو لوگوں پر اعتماد ہے ہم دونوں مل کر کاروبار کرتے ہیں نفع آدھا آدھا ہوگا اور نقصان سارا میرے ذمہ ہوگا، یہ صورت ناجائز ہے۔ اس صورت میں سارا نفع ضمان قبول کرنے والے کا ہے دوسرے کو لینا جائز نہیں۔


حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب کی چند کتابیں
مسلمان تاجر
"غیر سودی بینکاری" ایک منصفانہ علمی جائزہ
مروجہ تجارتی کمپنیاں اور اسلامی شرکت و مضاربت
درس ارشاد الصرف
درس نحو میر
آٹھ مسائل
اصلی چہرہ
حیلہ اسقاط اور دعا بعد نماز جنازہ کا حکم
مروجہ تکافل اور شرعی وقف
اصلی زینت
اصلی زیور